آخری قسط

مذہب اور عقل

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

شرک: کوئی شبہ نہیں کہ بانیانِ مذہب نے خلق کی اصلاح کے لئے توحید و معاد کی حقیقتوں کی تبلیغ کی۔ سب سے آخر میں اسلام کا دور ہوا۔ اس نے شرک کے مٹانے میں بے حد جدو جہد کی یہاں تک کہ ہزاروں جانیں قربان کر ڈالیں مگر شرک کے معنی سمجھنے میں اکثر دعویداران توحید کو دھوکہ ہے ''شرک'' کیا ہے؟ خدا کو بھول کر کسی دوسرے کی روحانی عظمت کا قائل ہو جانا یا حکم خدا کے خلاف کسی دوسرے کے سامنے سرنگوں ہونا اسی کا نام شرک ہے۔ اگر خدا کے حکم کی بناء پر یا اس کی تعظیم کے خیال سے اس کی طرف منسوب شدہ کسی شے کی تعظیم کرو تو یہ خدائے تعالیٰ کی تعظیم ہوئی اس کو شرک سے کیا واسطہ ہے مثال کے طور پر تم کسی شخص کو آتے دیکھ کر اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ اس کی تعظیم کے خیال سے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے بیٹے کو آتے دیکھو اور کھڑے ہو جاؤ اس لئے کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے تو یہ تعظیم حقیقتاً بالاتر درجہ ہوا خود اسی شخص کی تعظیم کا جس کے لئے پہلی بار کھڑے ہوئے تھے اور اگر اس کا خط آیا اور اس خط کی تعظیم کو کھڑے ہو گئے تو یہ اور بالاتر تعظیم ہوئی اس کی جس کا وہ خط ہے۔ اس لئے کہ اس کی عظمت نے اتنی دور کے تعلق کے ساتھ بھی پورا اثر کیا معلوم ہوا کہ اس کی عظمت نگاہ میں کامل ہے اس معیار پر اگر اللہ کے بندوں کی تعظیم اس بناء پر کی جا رہی ہے کہ یہ اللہ کے مخصوص بندے ہیں یا اس کے پیغامبر ہیں یا اس کی راہ میں اپنا گھر بار جان اولاد سب لٹانے والے ہیں تو یہ تعظیم خدا کی تعظیم سے الگ کب سمجھی جا سکتی ہے بلکہ یہ تو بڑا کامل درجہ ہوا اللہ کی عظمت کے احساس کا اس بناء پر وہ خدا کی ایک بلند عبادت قرار پائے گی۔

اللہ کے سوا دوسرے کو ہر بات پر قادر ماننا بے شک درست نہیں ہے لیکن اللہ کی دی ہوئی قدرت سے اس کے حکم کے ماتحت مدد کرنے کا عقیدہ غلط نہیں سمجھا جا سکتا۔

جو حیات بعد الموت کے قائل نہیں ہیں ان کا تذکرہ نہیں ہے لیکن روح کو جسمانی زندگی سے علیحدہ موجود ماننے والے روح کے احساسات کو زندگی سے زیادہ موت کے بعد کامل جاننے پر مجبور ہیں۔

اب جتنی قوی اور کامل روح ہوگی اس کے ادراکات بعد موت اتنے ہی زیادہ کامل ہوں گے اس لئے خدا کے نیک اور مقدس بندے بعد موت خدا کی دی ہوئی زندگی سے دیکھتے سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اسے شرک سے ہرگز کوئی نسبت نہیں ہے۔

جو لوگ شرک کی مٹانے والی مقدس ذاتوں کو مصیبت کے وقت آواز دیتے ہیں۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی مشیت کے بغیر یہ کوئی کام بھی انجام نہیں دیتے مگر وہ اپنی ناقص ہستیوں کو اس لائق نہیں جانتے کہ براہ راست اس کی بارگاہ میں عرض و معروض کریں اس لئے ادب اور تعظیم کے طور پر جو اس کے نیک اور مقدس بندے ہیں ان کا ذریعہ ڈھونڈتے ہیں، وسیلہ کی محتاجی اس حاکم حقیقی کو نہیں ہے بلکہ ہم کو ہے۔ وہ تو ہماری آواز سنتا ہی ہے۔ مگر ہم اپنی آواز کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ براہ راست اس کو سنائیں۔ اس نے کچھ اپنے پاک بندوں کو سفارش کا منصب دیا ہے اس لئے نہیں

کہ وہ بغیر ان کی سفارش کے کچھ نہیں کرسکتا بلکہ اس لئے کہ ان نیک بندوں کا اعزاز اس کی بارگاہ میں ثابت ہو اور دنیا والے اپنی حاجتوں اور مطلبوں ہی کی خاطر ڈیوڑھیوں پر آنکلیں اور ان کو یاد کرلیں۔ اس یاددہانی میں خلق خدا کا فائدہ ہے۔

جہاں جہاں قرآنی آیتوں میں مذمت ہے وہ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے پکارنے کی ہے مگر سچے مسلمان ہرگز خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو نہیں پکارتے وہ خدا ہی سے لو لگاتے ہیں جب اس کے رسولؐ اور ائمہ کرام کا واسطہ دیتے ہیں۔

شیطان کے وجود کا اقرار بھی شرک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ شرک کے معنی ہیں اللہ کے مخصوص اوصاف کو دوسرے کی جانب منسوب کرنا۔ لیکن شیطان کی طرف جو اوصاف منسوب کئے جاتے ہیں وہ تو صفات الٰہی سے بالکل متضاد ہیں پھر اس سے شرک کیسے لازم آیا۔ یہ تو ایسا ہے جیسے ہم کہیں کہ

اللہ۔ واجب ہے۔ ہم ممکن

اللہ۔ قدیم ہے۔ ہم حادث

اللہ۔ باقی ہے۔ ہم فانی

اللہ۔ کامل ہے۔ ہم ناقص

اللہ۔ عالم ہے۔ ہم جاہل

اللہ۔ حکیم ہے۔ ہم نادان

تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہم اللہ کے مدمقابل ہوگئے بلکہ اس سے نتیجہ تو یہ نکلا کہ جو اللہ ہے وہ ہم نہیں ہیں اس لئے اللہ اپنے اوصاف وکمالات میں واحد حقیقی ہے۔

بتایئے یہ توحید ہے یا تثلیث ۔ اسی صورت سے ان اوصاف کو سمجھیے جو ابلیس کے لئے ثابت کئے جاتے ہیں۔

شیطان کو مسلمانوں نے کیا مانا۔ ابلیس مانا، خناس مانا، جنات مانا، برگشتہ فرشتہ مانا، پیٹ کے اندر مانا۔ حج میں رجم سے بھگاتے مانا۔ بہشت میں بہکاتے مانا۔ دنیا میں پھسلاتے مانا، ہر ایک کا ہم ساز مانا، بروں کا ہم باز مانا، انسان کا ہم زاد مانا۔ پیر فرتوت مانا۔ سن گن لینے آسمان پر جانا مانا۔ شہاب ثاقب کا نشانہ مانا۔

مگر ان میں سے کوئی صفت ایسی نہیں جو معاذ اللہ خالق کے لئے ثابت ہو پھر یہ سب کچھ مانا تو کیا مانا۔ اس سے تثلیث کیسے ہوئی اور شیطان خدا کا مثل و مانند کیسے بن گیا جو توحید کے بجائے شرک قرار پایا۔

ملائکہ کا ہم صفات ۔ حی۔ ہمیشہ۔ دائم وقائم۔ حاضر و ناظر۔ بیت اللہ پر حاوی سواد کعبہ پر قابض۔ پیغمبروں کا ہم راز، معلم الملکوت۔ ملائکہ میں جالینوس ہرگز نہیں مانا گیا۔

وہ ناری ہے اور ملائکہ نوری پھر ہم صفات کہاں ہوئے۔ وہ مخلوق ہے اور قیامت کے پہلے اسے بھی فنا ہے پھر حی ہمیشہ دائم وقائم کہاں ہوا۔ علم اس کا ضرور کوتاہ اور قدرت محدود ہے۔ پیغمبروں پر ہرگز اس کا قبضہ نہیں نہ ان کے رازوں سے واقف ہے۔ فرشتوں کا معلم نہیں اور نہ ان کا جالینوس ہے برائیوں کا بھی محرک ہے۔ خلاق نہیں ہے۔ پھر بتایئے خدا کا شریک کہاں سے ٹھہرا تو ہمات میں بے شک اکثر مہملات اور خرافات ہیں مگر ان میں سے اکثر کو بھی شرک سے علاقہ نہیں جو مانتے ہیں وہ اس طرح جیسے دوا میں اثر قدرت کا مقرر کیا ہوا ہے پھر کیا دوا کی خاصیت کا قائل ہونا شرک کا مرادف ہے؟ یہ خیال کی پریشانی ہے کہ واہمہ کی خلاقی کو شرک کہتے کہتے کہنے والا خود واہمہ کی خلاقی ثابت کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ خیال سے واہمہ کی خلاقی ظاہر ہے اسی لئے مشہور مقولہ ہے کہ واہمہ خلاق ہے۔ خواب میں بغیر اعضا کے دماغ کو احساس، یہ بھی واہمہ کی تخلیق ہے۔

اب اسے معلوم نہیں شرک سمجھنا چاہئے یا نہیں۔ خیالات کی بلندی اور پستی۔ صحت اور غلطی۔ دماغ کی صحت اور نفس انسانی کے کمال سے وابستہ ہے۔ مالیخولیائی، سودائی دماغوں کے خیالات حقیقت سے دور اور کامل عقل ونفس والے انسانوں کے خیالات حقیقت سے قریب اور اگر نفس انتہائی کامل ہو تو حقیقت سے بالکل مطابق ہوں گے۔

خدا کے پیغمبرؑ انسانی قوائے عقلی میں کمال کے درجہ پر ہوتے ہیں اسے ان کے عام حالات سے آزما لینا ضروری ہے

پھر یہ نہیں سمجھا جا سکتا ہے کہ وحی یا فرشتہ کا خیال ان کا بالکل وہم وخیال ہے۔اور وہ حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

بے شک تجلی اس معنی سے کہ خود اللہ کا جلوہ ظاہر ہو عقلاً محال ہے اس لئے اگر کوئی اس کا دعویٰ کرے،تو وہ اس کے قوت عقلیہ کے نقص کی دلیل ہے اس لئے یقیناً یہ صرف اس کے واہمہ کی پیداوار سمجھی جائے گی اور اسے خدا سمجھنا یا خدا کا شبہ کرنا ضرور جاہلیت کا سودا اور دماغ کا فتور ہوگا۔

معجزہ :لغت میں'' وہ بات جو عاجز کر دے''

معجزہ ہے اہل مذاہب کی اصطلاح میں خداوندی منصب جیسے نبوت، رسالت یا امامت کے عہدوں کے واسطے ان کے حامل کو جو غیر معمولی خصوصیات حاصل ہوں۔جنہیں وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کریں وہ معجزہ ہیں۔اگر کوئی غیر معمولی خصوصیت ایسی جو دلیل نبوت بن سکے نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر دعویدار کو سچا رسول، نبی یا امام مان لیا جائے۔

پیغمبرؐ اسلام کا باقی اور دائمی معجزہ قرآن ہے۔آپ نے عمومی حیثیت سے اسی کو ثبوت رسالت میں پیش کیا۔یہ روایت نہیں درایت ہے۔اور یہ تمام انبیاءؑ کے معجزات میں اس کی امتیازی صفت ہے۔رہ گئے دیگر انبیاءؑ کے معجزات وہ ہم تک بطور روایت پہنچے ہیں۔ویسے معجزات ہمارے رسولؐ کے لئے بھی حاصل ہوئے اور ہم تک روایتاً پہنچے۔شق القمر اسی طرح کا معجزہ ہے۔

قرآن کی آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔کا یہ ترجمہ کہ'' قریب آ گئی ساعت اور شق القمر'' بالکل غلط ہے۔

جس عربی دان سے چاہے پوچھ لو ترجمہ اس کا یہ ہوا کہ '' قریب آ گئی ساعت اور شق ہوا قمر۔''

روایات کے اختلاف سے اصل واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا وفات رسولؐ ایسی مسلمہ حقیقت مگر کس تاریخ وفات ہوئی، مسلمانوں میں عظیم اختلاف کا مرکز ہے۔

نماز ایسی مسلمہ بات مگر رسولؐ نماز کس طرح پڑھتے تھے اس میں مسلمانوں میں بڑا اختلاف ہے۔

پھر جس تاریخ کے اختلاف سے وفات رسولؐ کا اصل واقعہ مشکوک نہیں ہو سکتا۔نماز کے خصوصیات میں اختلاف سے اصل حقیقت کہ رسولؐ نماز پڑھتے تھے محل انکار نہیں بن سکتی تو ویسے ہی صورت و کیفیت اور تفصیل کے اختلاف سے اصل واقعہ شق القمر کی صحت پر اثر نہیں پڑ سکتا جب کہ مجموعی حیثیت سے تمام روایات اس کے وقوع پر متفق ہیں۔

چاند کی ہیئت مختلف مقامات کے دیکھنے والوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔سوائے قریب الافق مقامات کے ایک شکل وصورت پر ایک وقت میں چاند کہیں نظر نہیں آتا۔عرب اور اس کے قریب الافق مقامات میں تاریخ نگاری کا رواج بالکل نہیں تھا ان کی تاریخ راویوں کے بیانات ہی سے مدوّن ہوئی ہے اور اسلام کے غلبہ کے بعد تمام لکھنے پڑھنے والے افراد اور تدوین و تصنیف کرنے والے لوگ اسلام لا چکے تھے۔ان ہی راویوں نے اس واقعہ کی روایت بیان کی اور ہم تک پہنچی۔غیر اسلامی جماعت کے افراد کی کوئی تاریخ تدوین کردہ اس وقت کی موجود ہو اور اس میں یہ واقعہ درج نہ ہو تو خیر اس کی صحت پر کچھ اثر بھی پڑے۔

بہر حال یہ روایتی بحث ہے۔اسلام اور نبوت رسولؐ کی بنیاد معجزہ شق القمر پر ہر گز نہیں ہے۔اس کی بنیاد ان عظیم الشان گوناگوں معجزات پر ہے جو اس ایک قرآن عظیم میں مضمر ہیں۔

یہی ہزاروں معجزوں کا ایک معجزہ ہے جو ہمیشہ کے واسطے رسولؐ کی تصدیق کے لئے بہترین دلیل اور حجت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خود قرآن میں موجود ہے کہ آنحضرتؐ کو معجزے عطا نہیں فرمائے گئے۔ثبوت میں ۱۴ر آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔مگر ان آیتوں میں کہیں بھی معجزے کی لفظ نہیں ہے ان میں جو کچھ ہے وہ'' آیات اور بینات'' کی لفظ ہے۔ان ہی کا ترجمہ ''معجزہ'' کے ساتھ کیا گیا ہے۔ان آیات سے معجزہ کی نفی کا ثبوت اسی وقت ہو سکتا ہے۔جب یہ مان لیا جائے کہ قرآنی اصطلاح میں معجزہ کو'' آیت'' اور'' بینہ'' کہا جاتا ہے۔اب اگر

۲۸ مقام پر واضح اور صاف الفاظ میں ثبوت ملے گا کہ ہمارے رسولؐ کو بھی معجزات عطا ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

نمبر	پارہ	سورہ	مضمون
۱	۱	بقرہ	یقیناً ہم نے اتارے ہیں تم پر روشن معجزات، اور نہیں انکار کر سکتے ان کا مگر فاسق لوگ۔
۲	"	"	جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں ہم سے خدا بات نہیں کرتا یا کوئی خاص معجزہ کیوں نہیں اترتا۔ ایسا ہی کہا تھا ان لوگوں نے جو ان کے پہلے تھے ان کے ہی قول کی مثل یقیناً ہم نے معجزات ظاہر کئے ان لوگوں کے لئے جو یقین لانے پر آمادہ ہیں۔
۳	۲	"	اگر تم نے لغزش کی بعد اس کے کہ معجزے تمہاری طرف آ چکے تو جان لو کہ خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے۔
۴	۴	آل عمران	کیونکہ خدا راہ راست پر لائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ایمان لانے کے بعد پھر انکار کیا اور گواہی دی کہ رسولؐ سچا ہے اور ان کے پاس معجزے آئے۔ اور خدا ہدایت نہیں کرتا ان لوگوں کی جو ظالم ہوں۔
۵	۷	انعام	ان لوگوں کے سامنے جو بھی معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے آتا ہے۔ یہ اس سے روگردانی ہی کرتے ہیں۔
۶	"	"	ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج ہوتا ہے ان لوگوں کی باتوں سے، یہ لوگ تمہاری ذات کو تھوڑی جھٹلاتے ہیں بلکہ وہ ظالم خدا کے معجزوں کا جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں۔
۷	"	"	جنہوں نے جھٹلایا ہمارے معجزوں کو یہ بہرے ہیں اور گونگے ہیں، تاریکی میں مبتلا ہیں۔
۸	"	"	جب آئیں تمہارے پاس وہ لوگ جو ہمارے معجزوں پر ایمان لاتے ہیں تو کہو سلامتی ہے تمہارے واسطے، تمہارے پروردگار نے لازم کرلیا ہے اپنے اوپر رحمت کو۔
۹	۸	"	جب ان کے پاس کوئی معجزہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ویسی ہی باتیں نہ آئیں جو پیغمبروں کو ملی تھیں خدا خوب بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنا پیغام کس طرح بھیجے۔
۱۰	"	"	یقیناً آیا تمہارے پاس معجزہ تمہارے پروردگار کی جانب سے اور ہدایت و رحمت تو پھر کون شخص زیادہ ظالم ہوگا اس سے کہ جو خدا کی طرف کے معجزات کی تکذیب کرے اور ان سے روگردانی کرے۔
۱۱	۱۴	نحل	جب ہم کسی ایک معجزے کے بجائے بدل کر دوسرا معجزہ بھیج دیتے ہیں اور خدا زیادہ واقف ہے اس چیز کے متعلق جسے وہ اتارتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تم تو اپنے دل سے گڑھتے ہو۔ بلکہ اکثر ان میں سے علم نہیں رکھتے۔

نمبر	پارہ	سورہ	مضمون
۱۲	۱۴	نحل	وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے خدا کے معجزات پر خدا ان کو جبراً راہ راست تک نہیں پہنچائے گا اور ان کے لئے دردناک سزا مقرر ہے۔
۱۳	۱۵	بنی اسرائیل	ہم ان کو روز قیامت اندھا بہرا محشور کریں گے یہ ان کا بدلہ ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری طرف کے معجزوں کا انکار کیا۔
۱۴	"	کہف	اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے پروردگار کی طرف کے معجزات کے ذریعہ سے یاددہانی کی گئی مگر اس نے روگردانی کی۔
۱۵	۱۶	مریم	کیا دیکھا تم نے اس شخص کو جس نے انکار کیا ہمارے معجزات کا۔
۱۶	۱۷	حج	ہم نے اس کو اتارا ہے، روشن معجزوں کی حیثیت سے اور خدا ہدایت کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔
۱۷	۱۸	مومنون	وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کی طرف کے معجزات پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک باتوں میں تیزی کرتے ہیں اور قدم آگے بڑھاتے ہیں۔
۱۸	۱۸	نور	سورہ ہے جس کو ہم نے اتارا اور مقرر کیا اور اس میں معجزات اتارے کہ جو روشن ہیں۔
۱۹	"	"	یقیناً ہم نے تمہاری طرف اتارے ہیں واضح معجزات اور ویسی ہی باتیں جو پہلے زمانہ کے لوگوں کو ملی تھیں اور موعظہ و نصیحت پرہیزگاروں کے لئے
۲۰	۱۸	"	ہم نے اتارے ہیں روشن معجزے اور خدا جسکو چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے
۲۱	۲۰	نمل	کہو الحمدللہ عنقریب ہم تمہیں معجزات دکھلائیں گے جنہیں تم پہچانتے ہو گے۔
۲۲	۲۳	صافات	جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔
۲۳	۲۴	مؤمن	دکھلا رہا ہے وہ اپنے معجزے۔ پس خدا کے کن کن معجزات کا تم انکار کرو گے
۲۴	۲۵	جاثیہ	جب ہمارے معجزات میں ان کو کسی کا علم ہوتا ہے تو یہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے لئے ذلت آمیز سزا ہے۔
۲۵	۲۶	احقاف	جب ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ہمارے روشن معجزے تو جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ حق کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔
۲۶	۲۷	حدید	وہ اتارتا ہے اپنے بندہ پر روشن معجزات تاکہ نکالے تمہیں تاریکی کے پردوں سے روشنی کی طرف۔

نمبر	پارہ	سورہ	مضمون
۲۷	۲۸	صف	کہا عیسٰی بن مریمؑ نے کہ اے بنی اسرائیل میں خدا کا رسول ہوں تمہاری جانب تصدیق کرنے والا اس توریت کی جو میرے قبل تھی اور بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا تو جب وہ آیا ان کی طرف معجزات کے ساتھ تو انہوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔
۲۸	۳۰	بیّنہ	نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے کہ جنہیں کتاب عطا ہوئی مگر بعد اس کے کہ ان کی طرف معجزہ آ گیا؛۔

اس کو مان لیا جاتا ہے تو آپ کو قرآن مجید میں حسب ذیل

ان تمام آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ رسالت مآبؐ بھی اسی طرح معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے جس طرح سابق انبیائؑ معجزات کے ساتھ آئے تھے اب جب کہ اتنی آیتوں میں رسولؐ کو معجزوں کا عطا کیا جانا مذکور ہے تو غور کیجئے ان چودہ آیتوں پر جو اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں کہ ہمارے رسولؐ کو معجزے نہیں عطا ہوئے۔

بات یہ ہے کہ سنت الٰہیہ یہ رہی کہ تمام انبیاءؑ کے معجزے یکساں نہیں رہے بلکہ ہر نبیؑ کو حکمت و مصلحت کے لحاظ سے مخصوص معجزات عطا ہوئے جو اسی نبیؑ سے خاص ہیں۔ رسولؐ کو بھی خدا کی طرف سے وہ معجزات عطا ہوئے جو آپ کے ساتھ خاص ہیں۔

مشرک لوگ عناد اور تعصب سے ان تمام معجزوں سے سرتابی کرتے ہوئے کبھی مضحکہ کے انداز پر اور کبھی بہانہ کے طور پر نئے نئے معجزوں کی فرمائش کرتے تھے۔ حقیقت طلبی کے جذبہ سے نہیں بلکہ صرف اپنے انکار کی سخن پروری کے لئے۔ اور کبھی یہ چاہتے تھے کہ بالکل وہی معجزے جو سابق انبیاؑء کو مل چکے ہیں وہ ان کو بھی دیئے جائیں۔ ان کے جواب میں کبھی یہ کہا گیا ہے کہ یہ معجزات پہلے انبیاؑء پر آ چکے ہیں اور لوگوں نے تکذیب کی۔ پھر اب ان ہی معجزات سے کیا فائدہ اور کبھی یہ کہا گیا کہ اگر یہ معجزے دیکھو گے تب بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے۔ اور کبھی یہ کہا گیا کہ معجزے تمہارے سامنے موجود ہیں اگر تم ایمان لانا چاہو تو وہ کافی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر فرد کی فرمائش پر معجزہ ہی ہونے لگے تو معجزہ بازیچۂ اطفال بن جائے اور اس کی غیر معمولی عظمت و اہمیت باقی نہ رہے۔

اب ان آیتوں پر الگ الگ نظر ڈالئے خود ان کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ یہ خاص فرمائشی معجزات سے متعلق ہیں۔

۱۔ کہتے ہیں کہ خدا نے تو ہم سے عہد کیا ہے کہ جب تک کوئی رسولؐ یہ معجزہ نہ دکھائے کہ وہ قربانی کرے اور اس کو آسمانی آگ چٹ کر جائے اس وقت تک ہم ایمان نہ لائیں گے۔ تم کہدو کہ بہت پیغمبر مجھ سے قبل تمہارے پاس واضح اور روشن معجزات اور جس چیز کی تم نے فرمائش کی ہے لے کر آئے تم نے قتل کر ڈالا۔

۲۔ کہتے ہیں کہ اس نبیؑ پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ تم کہہ دو کہ خدا معجزے کے نازل کرنے پر ضرور قادر ہے مگر ان میں کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت کے قبل یہ موجود ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان لوگوں کے اقوال سے تمہیں صدمہ پہنچتا ہے یہ لوگ فقط تمہاری تکذیب تھوڑی کرتے ہیں بلکہ خدا کے معجزوں کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ آیت ہے کہ جو لوگ ہمارے معجزوں کی تکذیب کرتے ہیں یہ تاریکیوں میں اندھے اور گونگے ہیں۔

ان دونوں پہلے اور بعد کی آیتوں سے ظاہر ہے کہ معجزے موجود تھے مگر وہ لوگ انکار کرتے تھے۔ اب جو درمیان کی آیت

میں یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ معجزہ کیوں نہیں اترتا تو ضرور اس سے خاص معجزہ مراد ہے جو ان کی خواہش کے مطابق ہو۔ مطلق معجزہ کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔

۳۔ ان لوگوں نے خدا کی سخت سخت قسمیں کھائیں کہ ان کے پاس کوئی معجزہ آئے تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے، کہو کہ معجزہ تو بس خدا ہی کے پاس ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ معجزے آئیں گے تو یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کی آنکھیں الٹ پلٹ کر دیں گے۔

کتنے غضب کی بات ہے کہ ترجمہ لکھ کر اتنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ بعد کا ٹکڑا مقصد کے لئے مضر ہے۔

آخری فقرہ کو اس طرح ملا کر پڑھئے ''اور ہم ان کی آنکھیں الٹ پلٹ کر دیں گے جس طرح یہ لوگ پہلے اس پر ایمان نہیں لائے اور چھوڑ دیں گے ان کو سرکشی میں ان کی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے''۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے معجزہ آیا اور یہ لوگ ایمان نہیں لائے اور اب ان کی خواہش صرف سرکشی اور عناد پر مبنی ہے۔ اسی لئے ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا۔

۴۔ جب تم ان کے پاس کوئی خاص معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے اسی کو کیوں نہ منتخب کیا۔ تم کہہ دو کہ میں تو بس وحی کا پابند ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس آتی ہے۔''

اس آیت سے کسی طرح مطلب نکل ہی نہیں سکتا تھا جب تک اس کے معنی میں ترمیم نہ کی جائے۔

اس لئے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ ''جب تم ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے اسے کیوں نہیں بنالیا۔

آیت میں یہ لفظ ہے (لولا اجتبیتھا) اجتباء کے معنی بنانے کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ اجتباء کے معنی منتخب کرنے کے ہیں اور انتخاب کی لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرے معجزات ان کے سامنے موجود تھے مگر وہ یہ چاہتے تھے کہ جو معجزہ وہ کہہ رہے ہیں وہی پیش کیا جائے۔ اس لئے وہ کہتے تھے کہ آپ نے بجائے دوسرے معجزات کے اسی کو کیوں نہ منتخب کیا۔

۵۔ کہتے ہیں کہ اس پیغمبرؐ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تو تم کہہ دو کہ غیب تو صرف خدا کے واسطے خاص ہے'' اس میں اصل آیت میں اتنا ٹکڑا اور ہے۔ ''پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

انتظار اسی بات کا ہوتا ہے جو آئندہ ہونے والی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں مطلوبہ معجزہ کا انکار نہیں کیا گیا ہے بلکہ آئندہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور چونکہ خدا کا وعدہ غلط نہیں ہوسکتا اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ معجزہ ضرور ظاہر ہوا۔

۶۔ یہ لوگ کہہ بیٹھیں کہ خزانہ کیوں نہیں نازل کیا یا اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہ آیا تو تم صرف ڈرانے والے ہو، خدا ہر چیز کا ذمہ دار ہے، اس میں تو معجزہ کا کہیں نام بھی نہیں ہے بلکہ دو خاص باتوں کا ذکر ہے ایک خزانہ نازل ہونا اور دوسرے ان کے ساتھ فرشتہ کا لوگوں کے سامنے آنا ان دنوں باتوں کی نفی سے مطلق معجزے کا انکار کہاں ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ تم سے کہا کہ جب تک تم ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ بہا نکالو گے ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یا کھجوروں کا اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو ان میں تم بیچ بیچ میں نہریں جاری کر کے دکھا دو۔ یا جیسا تم گمان رکھتے تھے، ہم پر آسمان ہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گراؤ۔ یا خدا اور فرشتوں کو گواہی میں لا کھڑا کرو۔ یا تمہارے لئے کوئی طلائی محلسرا ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر کتاب نہ نازل کرو گے کہ ہم اسے خود پڑھ بھی لیں اس وقت تک ہم تمہارے قائل نہ ہوں گے۔ تم کہہ دو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی رسول کے سوا اور آخر کیا ہوں' اس میں بھی تمام تر فرمائشی معجزات کا تذکرہ ہے اور مطلق معجزہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۸۔ کہتے ہیں کہ یہ اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے۔ تو کیا اگلی کتابوں میں ان کے

پاس نہیں پہنچے۔ یہ ترجمہ بھی غلط ہے اور بالکل بے معنی ہے۔

آخری فقرہ آیت کے ترجمہ کا یہ ہے کہ ''کیا اگلی کتابوں میں جو کچھ تھا اس کا ثبوت (بینہ) ان کے پاس آیا نہیں۔

اس سے تو بینہ یعنی دلیل نبوت کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ معجزہ کی نفی کہاں ثابت ہوتی ہے۔

۹۔جس طرح کے اگلے پیغمبرؑ معجزے لائے تھے ویسا ہی کوئی معجزہ یہ بھی کیوں نہیں لاتا۔ان سے پہلے ہم نے جن بستیوں کو تباہ کرڈالا وہ ان معجزات پر ایمان نہیں لائے تو کیا یہ لوگ ایمان لائیں گے۔

اس میں بھی ان ہی خاص طرح کے معجزات کا مطالبہ کیا گیا ہے جو پہلے انبیاءؑ پر اتر چکے تھے اور ان ہی کا انکار کیا گیا ہے۔

۱۰۔''جب حق ان کے پاس پہنچا تو کہنے لگے جیسے موسیٰؑ کو معجزے عطا ہوئے ویسے ہی اس رسولؐ کو کیوں نہیں دیئے گئے۔ کیا جو معجزے موسیٰؑ کو عطا ہوئے تھے ان سے ان لوگوں نے انکار نہ کیا تھا۔اس میں تو خاص حضرت موسیٰؑ کے معجزات کا تذکرہ ہے۔

۱۱۔ کہتے ہیں کہ اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نہیں نازل ہوئے۔ کہدو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔اس کے پہلے یہ آیت موجود ہے کہ ''یہ روشن معجزات ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جو صاحبان علم ہیں اور ہمارے معجزات کا انکار وہی کرتے ہیں کہ جو ظالم ہیں۔''

اس سے صاف طور پر معجزوں کا ثبوت ہوتا ہے اب اگر اسی کے بعد اس جماعت کا انکار مذکور ہے تو یہ صرف ان کی ہٹ دھرمی کا اظہار ہے۔

جبکہ ۲۸ جگہ قرآن میں صاف معجزات کا ثبوت موجود ہے اور گیارہ آیتیں ان چودہ آیات میں سے جو معجزوں کی نفی کے متعلق پیش کی گئی ہیں وہ صرف فرمائشی معجزات سے متعلق ہے اور خود ان میں ایسے ضمیمے اور قرائن موجود ہیں جو معجزات کے وجود کا پتہ دیتے ہیں تو اگر دو تین آیتوں میں صرف یہ الفاظ نظر آئیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ معجزہ کیوں نہیں دکھایا جاتا، تو ماننا پڑے گا کہ یہاں بھی مراد خاص مطلوبہ معجزات ہیں اور کچھ نہیں۔

اصول دین

اول توحید

خدا ایک ہے اس کا شریک کوئی نہیں۔

قدرت جو کائنات کے ذرہ ذرہ میں شامل ہے ذات قادر کا پتہ دے رہی ہے اس حیثیت سے اسی کو قدرت بھی کہہ سکتے ہو کہ اس کی ذات سے الگ قدرت کوئی چیز نہیں۔

دوم عدل

خدا عادل ہے۔اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک طرف رحیم و غفار ہے اور دوسری طرف قہار۔ عذاب نازل کرنا عدل کا نتیجہ ہے۔ عاصیوں کے گناہوں کی پاداش معصوموں کو نہیں ملتی۔ جو عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں وہ یا گناہ کرنے سے یا بخوشی گنہگاروں کا ساتھ دینے سے۔رحم بھی عدل کے حدود کے ماتحت ہوتا ہے۔اتفاقی گناہ کا مرتکب جب کہ دل سے پشیمان ہوا تو رحم کا حقدار ہے۔ اس استحقاق کے درجہ مختلف ہیں۔سرکش اور گناہگار پر اصرار رکھنے والا آدمی رحمت کا حقدار نہیں نہ اس پر رحمت کی بارش ہے، وہ قہر کا مستوجب ہے اور یہ قہر بھی عدالت کا نتیجہ ہے۔محل اور موقع جداگانہ ہے۔ ہر ایک کا کردار جدا اور اس کے ساتھ برتاؤ بھی الگ ہے، یہی عین عدالت ہے بے شک عزت و ذلت، بادشاہت اور فقیری، دینا اور لینا، فراغت اور بے فکری سب خدا کے چاہنے سے ہوتی ہے مگر اس کا چاہنا حکمت وعدالت کے اصول کے موافق ہوتا ہے۔

کفار کی جسمانی طاقت مقابلہ بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ اگر اس نے ان کے مقابلہ میں اپنے رسولؐ کو فرشتوں کی غیبی طاقت عطا کرکے توازن قائم کردیا تو اصول عدالت کے خلاف کیا ہے؟

کفار کی شرارتوں اور فساد کی طاقتوں کو شسکت دینا جس طرح بھی ہو صلاح عالم کا ذریعہ ہے جو عین حکمت کے مطابق ہے۔عدالت کے مطابق ہے۔عدالت اصول حکمت و مصلحت

کے لحاظ ہی کا نام ہے جو شئے موافق حکمت ہو وہی عدالت ہے۔

جب تک انسان طالب حقیقت رہتا ہے خدا مدد کرتا ہے اور ایسے اسباب فراہم کرتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر آجائے۔ جب انسان ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے تو خدا اس کی پاداش میں اپنی نگاہ موڑ لیتا ہے اور گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ یہ بداعمالی کی ایک سزا ہے جو اصول عدالت کے مطابق ہے۔ اس نگاہ موڑ لینے کے بعد دلوں کے مرض میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ بھی اپنے کرتوت کا نتیجہ ہے اسی کا نام ڈھیل دینا ہے۔ الٹ پلٹ کرنا بھی کرتوتوں کی بدولت ہے تو عدالت کے خلاف کیا ہے۔ بیشک خدا چاہتا تو جبری طاقت سے کام لیتا، اس صورت میں یہ لوگ شرک نہ کرتے مگر یہ جبر کرنا اصول عدالت کے خلاف ہوتا۔ اسی طرح وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر ایسا بھی عدالت ہی کی بناء پر نہ ہوا۔ وہ چاہتا تو ایک ہی گروہ بنا دیتا مگر اسے تو ہر ایک کے اختیار عمل کے مطابق اس سے سلوک کرنا ہے۔ جو اپنے اختیار سے گمراہی پر مصر ہیں خدا انہیں گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے، خدا کی توفیق سلب ہونے سے غفلت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے یہ آنکھوں پر پردوں کا پڑنا ہے اور بیشک جو اتنا بداعمال ہو کہ خدا اسے گمراہی کے سپرد رہنے دے اور ہدایت سے ہاتھ اٹھالے تو پھر کون اسے راہِ راست پر لاسکتا ہے۔ کوئی اسے راہ پر لانے والا نہیں۔ کیونکہ اس کا عناد اور اصرار ہدایت کی آواز پر رخ ہی نہیں کرنے دے گا۔

اس سے کیا حرف آسکتا ہے اس قدرت کاملہ کے انصاف پر جو کامل عقل اور مکمل عدل ہے۔

سوم نبوت:

نبی کی تصدیق ان خصوصی دلائل اور آیات وبینات کے ذریعہ سے ہوگی جو اس کے کمال صفات اور بلندی ذات اور خداوندی انتساب کے شاہد ہیں انہیں دلائل سے اس کے بشیر ونذیر ہونے میں اثر پیدا ہوگا۔ جو اس کے دلائل سے ایمان نہ لائے گا وہ اس کے بشارت وانذار سے اثر پذیر بھی نہیں ہوگا۔

چہارم امامت:

پیغمبرؐ کی جانشینی ہے اس لئے پیغمبرؐ کی زبان سے نام کا اعلان کافی ہے۔ قرآن تو مجمل ہدایات کا مجموعہ ہے جس کی تفصیل پیغمبرؐ کے قول وعمل سے ہوئی ہے۔ اسی لئے ہم تنہا قرآن کو ہدایت کے لئے کافی نہیں سمجھتے پھر جو شخص کہ قرآن کو بنی امیہ کی تالیف بتاتا ہو اسے تو قرآن میں ائمہ کے نام ڈھونڈنے کا کوئی موقع ہی نہیں۔ بقول شخصے۔ قلم در کف دشمن است، بنی امیہ کی تالیف اور اس میں ہمارے ائمہ کے نام، یہ غلط خیال ومحال ہے۔

پنجم معاد:

یہ جزا وسزا کے لئے انسانوں کی بازگشت ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے عقل کا فیصلہ ہے تفصیلی حالات اور بہشت ودوزخ کے کیفیات بے شک نبی کی زبان سے معلوم ہوئے۔ مگر نبی کی سچائی ان کے دلائل نبوت سے جب حاصل ہے تو آئندہ کے لئے ان کا قول ہر طرح سند ہے واقفیت کے لئے ان کا بتلانا کافی ہے۔ خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہنچانا ایسے ہی قیامت کو سمجھ لو۔

فروع دین

اول نماز

خدا کے حکم کی پابندی کے لئے اس کی بارگاہ میں تھوڑی دیر کی حاضری ہے۔ بے سمجھے ہوئے بھی پڑھتے ہیں صرف حکم کی پابندی کے لئے۔ یہ بھی عین فرض شناسی ہے جو عبادت کی حقیقت ہے۔

دوسرے روزہ:

بے شک صحت وبرداشت کے ساتھ ہے مگر بیماری کے لئے اصلیت درکار ہے۔ بہانہ بازوں کا اعتبار نہیں۔

تیسرے حج:

استطاعت کی صورت میں فرض ہے مگر بغیر استطاعت بھی قبول ہے۔ بہت سوں کو جب ایک دفعہ عمر بھر میں استطاعت حاصل ہوگئی تو پھر چاہے روپیہ اڑ جائے، حیثیت لٹ جائے حج کا

فرض عائد ہے۔ ایسے بہت کم ہوں گے جنہیں عمر بھر میں ایک دفعہ بھی اتنی استطاعت نہیں ہوئی۔

چھوتھے زکوٰۃ:

مقدرت کیسی، مخصوص مقدار سے زیادہ روپیہ کو ایک سال تک روکے رہنے پر واجب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا سرمایہ چلتا پھرتا رہے۔ کام میں لگا رہے ایک جگہ بند کر کے نہ رکھا جائے۔

پانچویں خمس:

مصارف اس کے مقرر ہیں اب بھی موجود ہیں یہ فروع محل نظر ہے۔

چھٹے جہاد:

خود سے پیش قدمی کرنا ہو تو اجازت امامؑ درکار ہے مگر مدافعانہ جنگ کا دروزاہ کھلا ہے۔ حفاظت خود اختیاری کے لئے قوم وملت کی جانب سے جہاد میں اجازت امامؑ کی ضرورت نہیں ہے۔

امامت

بارہویں امام علیہ السلام کی حیات کے لئے عقلی دلائل کی تلاش ہے، عقل بتلاتی ہے کہ خدا کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا۔ رسول کی پیشین گوئی جھوٹ نہیں ہو سکتی۔ قطعی دلائل سے ثابت ہو جانے والے پیشوایان اور ائمہ معصومینؑ کی بات مہمل نہیں ہو سکتی۔

زندگی اور موت دونوں ممکن الوقوع باتیں ہیں۔ ہر ممکن کے ثبوت یا نفی کی تعیین ذرائع اطلاع سے ہوتی ہے۔ بارہویں امامؑ کی زندگی کے لئے خبریں موجود ہیں۔ موت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے عقل کا فیصلہ ثبوت کے حق میں ہے۔

یاد رہے کہ امکانی حوادث میں عقلی دلائل صرف امکان سے متعلق ہو سکتے ہیں وقوع سے نہیں۔ روزمرہ کے ہونے والے حوادث میں بھی دلیل عقلی سے وقوع کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً زید کی عمر ساٹھ برس ہونا کس عقلی دلیل سے ثابت ہے؟ اس کے باپ کی عمر پچاس سال ہونا۔ اس کے دادا کی عمر پینسٹھ سال ہونا۔ اس کے کسی بھائی کا صرف بیس برس کی عمر میں انتقال ہو جانا۔ اس کے کسی فرزند کا تین ہی برس کی عمر میں باپ کو داغ جدائی دے دینا۔ اس کے ایک بچہ کا شیر خوارگی ہی کے عالم میں رخصت ہو جانا وغیرہ ان تمام واقعات کو اور اس افتراق حالات کو اگر عقلی معیار سے جانچنے کی کوشش کی جائے تو دلائل ساتھ چھوڑ دیں گے، حجت و برہان جواب دے دیں گے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ جب ان حوادث روزگار میں کسی ایک کے عقلی ثبوت کا مطالبہ کیا جائے تو اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی غیر ممکن اور محال نہیں ہے پھر جب معتبر اشخاص نے اس کے وقوع کو بیان کیا اور متعلقہ افراد نے جو واقف ہو سکتے تھے خبر دی ہے تو یہی ذریعہ اس کے وقوع کو تسلیم کرنے کا ہے۔

عمر کے متعلق جہاں تک غور کیا گیا عقلائے عالم، حکمائے زمانہ، اطبائے دہر شروع سے اب تک اس کا کوئی معیار ہی نہیں مقرر کر سکے ہیں کہ کس بناء پر کس کی عمر زیادہ اور کس کی کم ہوتی ہے اور یہ کہ واقعی اس کی ایک منضبط حد کیا ہے پھر جب عقلی حیثیت سے اس کا کوئی معیار ہی نہیں مقرر ہو سکا تو اس میں حد بندی کا حق کیا ہے کہ اتنی عمر تو ہو سکتی ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔ رہ گیا مشاہدہ تو حوادث کائنات میں ہر زمانے میں ایسی صورتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں جن کے مثل مشاہدہ اس کے قبل نہ ہوا تھا حالانکہ اگر صرف مشاہدہ کی بناء پر ہم کوئی مقدار مقرر کریں تو جو بھی زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کریں گے اس میں کوئی ایک فرد غیر معمولی ضرور ہوگی۔

کوئی کتنا ہی جیئے، چاہے ہزاروں برس کی عمر ہو پھر بھی آخر میں تو یہ زندگی ختم ہونا ہے قرآن ٹھیک کہہ رہا ہے کہ کسی بشر کو سدا کی زندگی نہیں دی گئی۔ سدا یعنی ہمیشہ کی زندگی کسی کو بھی نہیں۔

تاریخی مشاہدے:

دو ہزار برس یا اس سے پہلے سے تاریخی دور ہے۔ اس

مدت میں بہت سوں کے متعلق تاریخ غیر معمولی طور پر طولانی عمر کا پتہ دیتی ہے۔

نام شخص	عمر
شریح قاضی	۱۲۱ سال
ارطاۃ بن سہیہ	۱۳۰ ″
فرزدق شاعر	۱۳۰ ″
منقذ بن عمرو	۱۳۰ ″
ابوعثان الہندی	۱۳۰ سال
جبیر بن اسود	۱۳۴ ″
لبید بن ربیعہ	۱۴۰ ″
طفیل بن زید حارثی	۱۴۰ ″
طفیل بن یزید مازنی	۱۴۰ ″
قیس بن سائب	۱۴۰ ″
جابر بن عبداللہ عقیلی	۱۵۰ ″
عمر بن المسیح	۱۵۰ ″
قردۃ بن نفاثۃ سلولی	۱۵۰ ″
معاذ بن مسلم ہراء	۱۵۰ ″
ابورہم بن مطعم	۱۵۰ ″
بحر بن حارث کلبی	۱۶۰ ″
بشر بن معاذ توزی	۱۶۰ ″
میمون بن حریز	۱۷۵ ″
صبیرہ بن سعد	۱۸۰ ″
نابغہ جعدی	۱۸۰ ″
اوس بن حارثہ بن لام طائی	۲۰۰ ″
حنظلہ بن شرقی	۲۰۰ ″
زر بن حبیش	۲۱۲ ″
عبید بن شریہ	۲۴۰ ″
سلمان فارسی	۲۵۰ ″
حظر بن مالک	۲۸۰ ″
عمرو بن صمصمہ	۳۰۰ ″
اماناۃ بن قیس بن شیباں	۳۲۰ ″
جہمۃ بن عوف	۳۶۰ ″
شیخ یمن	۳۹۰ ″
جبیر بن حارث	۵۷۰ ″
زریب بن ثرملا	۱۹۰۰ ″

یہ چند واقعات ہیں جو سردست عرب کی تاریخ سے پیش نظر ہیں ۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ اور ایران کے سلاطین کی تاریخ میں ایک ایک کی عمر سیکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک کی مندرج ملتی ہے۔

اب کوئی ان سب کا انکار کرے اور پھر کہے کہ ''بتایئے تاریخ میں کس کو زندگی کے لئے یہ دن نصیب ہوئے ہیں۔'' تو اس کا کیا علاج ہے۔

فطرت کا کوئی آئین ایسا منضبط نہیں دکھلایا جاسکتا ہے جس کی بناء پر عمر کے لئے خاص مدت ثابت ہو۔

یہ کہنا کہ قدرت کا قانون ہے کہ بچہ جوان ہوکر بوڑھا ہوجاتا ہے کیا مشاہدہ کے سوا کسی عقلی استدلال پر مبنی ہے؟ پھر مشاہدہ کا حال تو اس کے پہلے معلوم ہو چکا۔

''جوان ہوکر بوڑھا ہوتا ہے۔'' مگر جوانی کتنے دن تک قائم رہ سکتی ہے اس کا کوئی کلیہ اور اصول نہیں۔

فطرت کے آئین ہیں کہ بڑھاپے میں اعضاء روز بروز مضمحل ہوتے ہوتے روح فراہم کرنا چھوڑ دیتے ہیں مگر بڑھاپا کب آجائے گا۔ یہ عمر کے لحاظ سے مختلف ہے، پھر جب کہ عمر کی کوئی میعاد نہیں تو بڑھاپے کی حد کون مقرر کرسکتا ہے۔

فطرت کا آئین جو واقعات کی بناء پر ثابت ہے اس آئین کا انضباط خود سنے ہوئے غیر معمولی واقعات کی تصدیق اور تکذیب پر ہے یعنی اگر ان واقعات کو تسلیم کرلیا جائے تو حدود آئین اتنے وسیع ہوجائیں گے اور تکذیب کی جائے تو حدود آئین مختصر۔

اس صورت میں خود آئین اس واقعہ کی تصدیق یا تکذیب کا معیار کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔

قدرت کے قاعدوں کی کوئی لفظی کتاب ہرگز نہیں ہے اگر ہے تو واقعاتی کتاب جس کے سطور حوادث کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔ اگر کوئی واقعہ غیر معمولی صورت پر ہوا ہے تو وہ بھی اس کتاب کا ایک جزو ہے۔ اس کا انکار کر دینا اس کتاب کی ایک سطر کو چھیل دینا یا محو کر دینا ہے۔

ذاتی تجربے؟ اللہ اللہ کہاں عالم کی وسیع اور لا محدود کائنات اور کہاں انسان کا محدود تجربہ۔ اگر انسان کے محدود تجربہ ہی میں ''قضا کی فضا'' کو محدود کر دیا جائے تو گولر کے بھنگے کی دنیا بے شک گولر کی اندرونی محدود فضا ہی ہے۔

انسان اشرف المخلوقات، صرف اس لئے ہے کہ وہ اپنی جہالت کا احساس کرتا ہوا آگے بڑھتا رہتا ہے اور اگر کہیں وہ اپنے کو جہانیاں جہاں گشت محقق ماضی وحال مستقبل اندیش نکتہ رس، حقیقت آشنا سمجھ کر طلب سے قدم روک بیٹھا اور کائنات کو اپنے محدود تجربوں اور مشاہدوں کا پابند سمجھنے لگا تو وہ ہرگز گولر کے بھنگے اور کنویں کے مینڈک یا فضا کے بلند پرواز تیز نظر گدھ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ بے شک عقیدہ عقل کے مطابق ہے اور عقل بتلاتی ہے کہ خالق قویٰ جس کسی کی قوت کو چاہے جتنی مدت تک برقرار رکھے۔ اس میں ہمارا اور کسی کا اختیار نہیں ہے جن چیزوں کو ضروریات زندگی سمجھا جاتا ہے۔ اول تو عقلی حیثیت سے ضروریات زندگی نہیں بلکہ اس دنیا کی کثیف وثقیل غذاؤں کے پیدا کردہ ضروریات ہیں دوسرے یہ کہ ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے کسی خاص عمر کی حد نہیں مقرر ہے۔ وہ قوائے طبعی کے سلامت رہنے کے ساتھ بہر حال پورے ہوسکتے ہیں۔

گمراہی کا دور انبیاءؑ ومرسلین کی موجودگی میں بھی رہا۔ ائمہؑ کے زمانہ میں بھی رہا۔ اب بھی ہے ہدایت پانے والے جب بھی ہدایت پاتے تھے اب بھی ہدایت پاتے ہیں۔ امامت گیارہ اماموں کی، زمانہ والوں کی مخالفانہ سرگرمیوں کے باعث پوشیدہ رہی مگر وہ بزرگوار برابر کسی نہ کسی پردہ میں ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہے اسی طرح بارہویں امامؑ بھی اپنا فرض انجام دیتے ہیں جو حاصل ان اماموں کا تھا وہی اس امامت کا بھی ہے اور یہی عدل الٰہی کا تقاضا ہے۔

نماز

خدا کے حضور اس کی حمد اپنی عبودیت سے اقبال، نعمتوں کا شکریہ، مدعا کا اظہار ہے۔ دوگانہ ہو یا پنجگانہ۔ یا جماعت اسلام میں باہم یک جہتی قائم کرنے کو وضع کی گئی ہے۔ اسی یک جہتی کے قائم رکھنے کے لئے اس کے لئے مخصوص الفاظ خاص عربی زبان کے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ وہ آپس کی زبانوں کے باہمی اختلاف کے باوجود ایک متحدہ قوت کا رمز ونشان رہے۔ حضور قلب اس تصور سے متعلق ہے کہ یہ کس بزرگ مرتبہ ذات کی عبودیت کا مظاہر ہے۔ جتنا یہ احساس قوی ہوگا اتنا ہی حضور قلب اور خضوع وخشوع زیادہ ہوگا ادھر ادھر کے دھیان دل میں نہ آئیں گے۔ اس کا زبان فہمی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو عربی جاننے اور سمجھنے والے سب ہی نماز کو اعلیٰ درجہ کے حضور قلب سے ادا کرتے مگر ایسا نہیں ہے ہزاروں عالم، فاضل، عربی دان طالب علم بھی اگر موقع کا صحیح احساس نہیں رکھتے تو دل ودماغ ان کے یکسو نہیں رہتے اور ہزاروں میں ایک بھی حضور قلب سے نہیں پڑھتا۔ یہ معرفت خدا کے نقص کا نتیجہ ہے عربی دانی یا غیر عربی دانی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

بے سمجھے بھی اگر اس احساس کے ساتھ پڑھتا ہے کہ اس کے مالک کا عائد کردہ فریضہ ہے تو یہی عین عبادت ہے۔ دربار قدرت میں اس کی بڑی وقعت ہے اور اس عبادت کی بڑی عزت ہے کیونکہ وہ فرض شناسی کا نتیجہ ہے۔ سوسائٹی میں بھی اس کی بے حد عزت ہے۔ رہ گئی دنیا سازی یہ نیت سے وابستہ ہے اور نیت کا حال بس خدا کو معلوم ہے۔

تقلید

زندگی کے ہر شعبہ میں ناواقف آدمی کا بہتر سے بہتر

واقف کار آدمی کو تلاش کرکے اس پر بھروسا کرنا اور اس کے کہے پر عمل کرنا ایک عقلی ناقابل انکار اصول ہے بیماری میں حکیم، ڈاکٹر۔ مقدمہ کی کشمکش میں بہترین وکیل اور بیرسٹر۔ مکان کی تعمیر میں ماہر فن انجینئر۔ غرض ہر کام میں جو اس کا ماہر ہو اسے اپنا علاج ودرمان سپرد کیا جائے گا۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ واقف کار اور ماہر شخص کی تلاش میں خوب عقل سے سوچ سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ آنکھ بند کرکے ہر ایک کے کہے پر نہ چلنا ورنہ گھاٹے میں رہوگے لیکن جب کسی ایک کو اس شعبہ کا ماہر سمجھ لیا تو پھر اس کی ہدایتوں میں میخیں نہ نکالو۔ اس کی رہنمائی پر عمل کرو یہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اس کے کہے پر چل کر غلطی بھی کی تو اپنا بھی ضمیر مطمئن ہوگا اور دوسروں کو بھی اعتراض کا حق نہ ہوگا اور جو اس کے کہے کے خلاف کیا اور ٹھوکر کھائی تو خود اپنے نزدیک مجرم اور خلق کے نزدیک ملزم ہوں گے۔ نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ اسی کا نام ہے۔

تقیہ

تقیہ اور نفاق ہرگز ایک چیز نہیں ہے۔ نفاق باطن کا خراب ہونا اور ظاہر کا درست ہونا ہے اور تقیہ کیا ہے باطن کا صحیح رکھنا اور ظاہر میں اس پر پردہ ڈالنا نقصان سے بچنے بچانے کو۔ حفاظت خود اختیاری تقیہ ہے جو عقل اور مذہب کا تقاضا ہے اس وقت جب دین اور ایمان کی حفاظت اظہار حقیقت پر منحصر نہ ہوگئی ہو ورنہ دین کی حفاظت کے لئے جان کا دے دینا شان ایمان کا ہوگا۔ بے شک شہید کربلاؑ نے اس کی مثال پیش کردی ہے۔

استخارہ

نہ مذہب کے اصول میں سے ہے۔ نہ فروع سے، بے شک اماموںؑ کی زبان سے نقل کیا ہوا حیرت اور سرگشتگی کے دور کرنے کا، خدا سے لولگا کر یکسوئی حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس کا محل وہی ہے جب عقل بالکل کام نہ کرے، رائے مشورے سے بھی کوئی صورت نہ نکلے اس وقت رائے کو سہارا۔ اضطراب کو تسلی دینے کے لئے بہترین صورت ہے۔ بے شک جاہلوں نے اس کا بیجا استعمال کیا ہے اور بہت سی صورتوں میں صرف ایک رسم بنالیا ہے۔ اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

فاتحہ درود

اس موقع کے زیادہ تر کام مذہبی نہیں، رواجی ہیں۔ غریبوں کی اعانت، امور خیر کی انجام دہی بہر صورت بہتر ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہوتا ہے وہ ڈھکوسلا ہے اپنے سے نہ ہو تو اجرت دے کر دوسرے سے میت کے لئے نماز پڑھوانا، روزے رکھوانا اپنی طرف سے ایک مالی قربانی ہے اس لئے اس کا ثواب ہے۔

بے ادبی اور گستاخی اس میں کا ہے کی؟

بے شک اور سب رسمیں اسراف ہیں۔

قرآن کی تلاوت کو ترتیل کے ساتھ ہونے کی ہدایت کرو، اچھا ہے مگر سرے سے اڑانا کوئی اچھی خدمت نہیں ہے۔

روح کے خود جسم تو نہیں مگر وہ جوہر ہے جو جسم سے متعلق ہوتا ہے۔ جسم سے الگ ہوکر اس کے ادراکات میں اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ مادیت کے شکنجہ سے رہا ہوچکی ہے۔ اس لئے اسے اچھے کاموں سے مسرت حاصل ہوتی ہے اور کچھ سمجھ میں نہ آئے تو اسی کو ثواب سمجھ لو۔ اس مسرت کا حصول ایک بہترین تحفہ ہے۔

یہ سمجھنا ہرگز صحیح نہیں کہ دنیا کی چیزیں بجنسہ میت کو پہنچتی اور اس کے لئے کارآمد ہوتی ہیں وہ عالم دوسرا ہے اور وہاں کی چیزیں وہاں کے اعتبار سے ہیں۔

ذبیحہ

قدرت کا یہ منشا بے شک نہیں ہے کہ انسان کے لئے گوشت کھانا لازمی ہے لیکن قدرت نے جس بات کا انسان کو موقع دیا ہے اس کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اور یہ نظام قرار دیا ہے کہ ہر پست چیز بلند کی تربیت کے لئے اپنے کو فنا کرکے ترقی کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ زمین کے ذرے قوت نباتی سے اپنی ہستی کو فنا کرکے پودے میں شامل کرتے ہیں تو نباتات کی پیدائش ہوتی ہے۔ نباتات اپنے کو غذا بناتے ہیں تو حیوان کی پرورش ہوتی ہے یوں ہی حیوان اگر انسان کی غذا میں صرف ہو تو یہ عام

نظام فطرت کے بالکل مطابق ہے۔

بیشک بلاضرورت صرف تفریح کےطور پر جانوروں کو مارنا بھی ممنوع ہےمگر اپنی غذا فراہم کرنے کے لئے جانوروں کو ذبح کیا تو کوئی قیامت نہیں ڈھائی ایسے ہی رحم دل ہوتو جانوروں پر سواری نہ کرو۔ بار نہ لادو۔کھیت نہ جوتو یہ سب باتیں تکلیف کی ہیں مگر ان کا کوئی پابند نہیں۔بس ایک گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنے میں تکلیف کا خیال ہے۔

ہاں یہ ہدایت ہوئی ہے کہ شکم کو جانوروں کا مقبرہ نہ بناؤ۔ یعنی گوشت کھانے میں افراط سے کام نہ لو۔مگر بہت سے غریبوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کثیر تعداد میں خانہ کعبہ کی زمین پر جانوروں کے ذبح کئے جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

قربانی

ابراہیمؑ پیغمبر نے اپنے ہاتھ سے بیٹے کے ذبح کا حکم خدا کے موافق تہیہ کرلیا تھا بڑے استقلال اور ثبات قدم سے اپنے ارادہ پر آخر تک قائم رہے۔

سب سامان ہوگیا تھا۔ بالکل عین وقت پر حکم تبدیل ہوا بیٹے کو ہٹا کر بھیڑا ذبح کر دیا گیا۔اس قربانی کے ارادہ کی یادگار ہے جو مسلمان بقرعید کے دن قربانی کرتے ہیں اس سے غریبوں کا پیٹ بھی بھرتا ہےاور جذبہ ایثار وقربانی بھی پیدا ہوتا ہے۔

کعبہ شروع شروع خدائے واحد کی عبادت کا خالص گھر تھا۔ بعد میں مشرکوں نے بت خانہ بنایا۔آنحضرتؐ نے اس کی پہلی حالت کو پلٹایا اور خدائے لامکان کا عبادت خانہ بنایا۔کوئی مسلمان اینٹ چونے پتھر کو نہیں پوجتا یہ تو عبادت کی جگہ ہے۔ عبادت ہوتی ہے خدائے واحد کی جو لاشریک ہے۔قدرت کو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ نہ حیوان کے جان وخون کی ، نہ ہماری اٹھا بیٹھی اور رکوع وسجدہ کی جس کا نام ہے نماز۔ یہ سب احکام ہمارے نفس کی پاکیزگی، ہماری ریاضت، ہم میں فرض شناسی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے ہے۔

وہ مقصد جس طرح نماز سے پورا ہوتا ہے۔روزہ سے پورا ہوتا ہے اسی طرح قربانی سے پورا ہوتا ہے۔

مگر مذہب اور احکام شریعت پر اعتراض کرنا اس زمانہ کا فیشن ہے۔نکتہ چینی اور جدت طرازی کا موسم ہے۔سمجھنے غور کرنے سے مطلب نہیں، وہی آوازیں سنائی دیں گی جو برسات کی موسمی ہوا کا تقاضا ہے۔

وحشی پرندوں کا صدقہ جس صورت سے عام طور پر ہوتا ہے بے شک ایک بے اصل وحقیقت رسم ہے جو اڑا دیئے جانے کے قابل ہے۔

بے آزار چرندوں پرندوں پر بلا ضرورت نشانہ آزمائی قابل اعتراض طرزِ عمل ہے۔ترک کئے جانے کا مستحق ہے۔

حرام حلال

فروعی احکام ہیں جن میں زمانہ کے حالات کے لحاظ سے محدود شریعتوں میں تبدیلی ہوتی رہی ہے لیکن جس طرح ہر نصاب کے لئے ایک آخری درجہ ہوتا ہے جس کے تعلیمات نسبتہً مکمل اور جامع ہوتے ہیں اسی طرح خدائے واحد کی طرف کے قانون شریعت کا آخری نصاب جو خاتم المرسلینؐ کے ذریعہ سے پہنچایا گیا۔ایسا جامع اور مکمل اور معتدل اور ہمہ گیر نصاب ہے جس میں کلی تبدیلی کی ضرورت نہیں اور جزئی تبدیلیاں جو ضروری بھی ہوں وہ اس کے وسیع کلیات کے ماتحت ہوں گی اس لئے بحیثیت مجموعی اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں سمجھنا چاہئے۔ رواج جو اس قانون کے موافق ہو وہ حق بجانب ہے جو اس کے خلاف ہے وہ رواج ناجائز ہے۔

حرامی کو خطا کار کون کہتا ہے؟ یہ اور بات ہے کہ اس کا حرامی پن رنگ لائے اور وہ کام ہی ایسے کرے جو خطا کاروں کے ہوتے ہیں تو اسے ویسی ہی پاداش بھی دی جائے گی۔

عقد ومہر

قانون شرع کی پابندی میں عورت اور مرد کے درمیان مضبوطی کے لئے جو عہد باندھا جاتا ہے اس کو عقد کہتے ہیں مہر اس کا معاوضہ ہے۔

اسلام فطرت کے تقاضوں کو اعتدال میں رکھنے کا ذمہ دار ہے اس لئے اس نے قواعد مقرر کئے پابندیاں لگائیں پھر بھی اعتدال کی شرط کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت دی۔

فطرت کے جوش وجذبات کو روکنا اس حد تک کہ فرض شناسی کا احساس قائم رہے مذہب ہے لیکن اس سے زیادہ بیکار کا دباؤ ہے اسلام کے وقت جس حد تک بڑھانے کی ضرورت تھی اسی قدر جنگ جوئی کے لئے نہ سہی۔ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اب بھی ضرورت ہے۔ ویسا ہی زمانہ اور ویسا ہی عہد ہے پھر اصلاح کا کون سا موقع ہے۔

مہر کا زیادہ رکھنا اس زمانہ کی یادگار ہے جب دولت گھر کی لونڈی تھی۔ اور روپئے ٹھیکروں کی طرح پیروں کے نیچے ٹھوکریں کھاتے تھے اس وقت وہی لاکھوں کے مہر حیثیت کے موافق تھے۔

اب وقت بدل گیا۔ زمانہ دوسرا ہوگیا۔ اب مہر کا اتنا باندھنا بیکار کی اینچ ہے۔ عقل کے خلاف ہے۔

مہر کی کمی میں ہم چشموں میں خفت کا خیال کیسا۔ کون سی حیثیت اپنی پہلے کی سی ہے جو مہر پہلے کا سا بندھے۔ سواری کا تزک واحتشام پہلے کا سا نہیں۔ دروازہ کی چہل پہل اور رونق پہلے کی سی نہیں۔ محل کی شان وشوکت پہلے کی سی نہیں، نوکروں چاکروں کی کثرت پہلے کی سی نہیں۔ دسترخوانوں پر کھانوں کی فروانی پہلے کی سی نہیں، مہمانوں کی میزبانی پہلے کی سی نہیں، جسم پر لباس پہلے کا سا نہیں۔ گھر کا اثاثہ پہلے کا سا نہیں۔ اس سب میں جب خفت نہیں تو پھر مہر پہلے کا سا نہ ہوگا تو کیا خفت ہوجائے گی۔

بہترین صلاح یہی ہے کہ اس خفت کا خیال بالکل چھوڑو۔ بہتر تو ہے کہ مہر فاطمی باندھو اور زیادہ بھی اتنا جو دولہا کی حیثیت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تم مقرر کرسکو۔ مگر اتنا نہیں جس کی ان اس کے وہم وخیال میں بھی نہ آسکے۔

اگر اس خلاف عقل طرز عمل سے مہر اور اس کے عقد کی رسم کو بالکل ڈھکوسلا سمجھا اور حقیقت خیال نہ کیا تو یاد رکھو کہ عقد تشریف لے گیا اور حلال کے پردے میں عمر بھر حرام ہوتا رہے گا جس کی ذمہ داری اس غلط طرز عمل پر ہوگی۔

کثرت ازدواج

شرع نے مجبور نہیں کیا ہے کوئی ضرورت نہ ہو اور خرابیاں دیکھو تو ہرگز ایسا نہ کرو۔ کرو تو بہت سمجھ بوجھ کر کرو۔

حق تلفیاں اور خون ریزیاں ناحق شناس طبیعتوں کا خاصہ ہیں۔ خود اسلام میں کثرت ازدواج کے ساتھ سوتیلے بھائیوں کے خوشگوار تعلقات کی بھی نظیریں موجود ہیں۔ ایسے بھائی جو یک جان دو قالب ہوں۔ حسینؑ اور عباسؑ کو دیکھ لو پھر ایک کے مرنے کے بعد دوسری سے نکاح کے تم بھی منکر نہیں مگر پہلی کی اولاد سے دوسری کو اور اس کے خاندان والوں کو سوتیلے پن کی جلن وہاں بھی ہوتی ہے اسلام کی ابتدا سے حق تلفیاں، حق ناحق کی خونریزیاں، گھروں میں جھگڑے اور گھرانوں میں لڑائیاں بہت سی اسی کے ماتحت تھیں پھر اس کو کثرت ازدواج کے سر کیوں عائد کرو۔

پردہ

کہا جاتا ہے کہ پردہ اٹھ رہا ہے اور دعوے ہیں کہ اٹھ کر رہے گا۔ مگر اندازہ ہے کہ جو رفتار پردہ کے اٹھنے کی دس برس پہلے تک تھی اس میں اب سستی پیدا ہوگئی ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ استادوں نے خود اپنی غلطی محسوس کرلی ہے۔ ہندوستان نے قدم آگے اس وقت بڑھائے جب یورپ قدم پیچھے ہٹاتا یا ہٹانے کی کوشش کررہا ہے۔ عورتوں کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی پر پابندیاں عائد ہونے لگی ہیں۔

ہندوستان میں خراب نتائج بہت جلدی ایسے ظاہر ہوئے کہ دیکھنے والے دہل گئے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ وبا زیادہ نہیں پھیلے گی اور جتنی پھیل گئی ہے اس کی بھی رفتہ رفتہ اصلاح ہوجائے گی۔

بے شک ممکن ہے کہ ہندوستان کے خاص حصوں کی، شرفاء کے گھروں کی پابندیاں اور پردہ کی مروجہ صورت زیادہ تر قائم نہ رہے۔ بہت سے گھرانوں میں عراق اور ایران کا سا چادر اور برقع کا رواج ہوجائے۔ وہ بھی غنیمت ہے اگرچہ ہندوستان کے حالات ویسے ہی پردہ کے متقاضی ہیں جیسا شرفاء کے یہاں کا

عام دستور ہے۔

شب برات پندرہ شعبان

دن کے حلوے، روٹی کی کوئی اصلیت نہیں۔ رات کو بے شک حضرت امام عصرؑ کی ولادت کی خوشی ہے۔ آتش بازی مظاہرۂ مسرت ہے۔ سوچ سمجھ کر پرانے لوگوں نے رکھا ہے نفسیاتی طور پر اپنی خوشی کے دوسروں کے بھی گھروں میں منائے جانے کا ذریعہ ہے۔ عرائض دلوں کو غیبی رہنما کی جانب متوجہ کرنے کا وسلیہ ہیں دونوں باتیں اچھی ہیں۔ دوسرے ہنستے ہیں تو ہنسنے دو۔ ہماری کون بات ان کی ہنسی سے خالی ہے۔ ہماری نماز کی اٹھا بیٹھی، حج کی دوڑ دھوپ اور بہت باتیں ان کی ہنسی کا سرمایہ ہیں۔ صرف دوسروں کی ہنسی کی وجہ سے اپنے شعائر دینی اور رسوم مذہبی کا ترک کرنا دوسروں کی خاطر ناک کٹانا ہے۔ دوسروں کو ہنسنے دو۔ اپنا کام کئے جاؤ۔ اسی میں کامیابی ہے۔

مراسم

کوئی شک نہیں کہ شادی بیاہ پیدائش اور وفات اور زندگی کی ہزاروں رسمیں جو رائج ہوگئی ہیں۔ ان کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں ہے۔ وہ ہماری زندگی کو تباہ کرنے کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ پرانے زمانے میں جب دولت افراط سے تھی اس وقت یہ رسمیں بھی کھلتی نہ تھیں۔ بیکار کی دولت لٹانے کا ایک اچھا ذریعہ تھا۔

اب جب کہ پیسہ پاس نہیں، فاقوں مر رہے ہیں تو ان رواسم کی بہتات، مرے پر سودرّے والی بات ہے۔ ان مراسم کو یک قلم ترک ہونا چاہئے۔

''اصلاح المراسم'' اس سلسلہ میں اچھی کتاب ہے اس میں ان تمام رسموں کی تفصیل درج ہے۔

ہم نے بھی ''شادی خانہ آبادی'' اور ''ہمارے رسوم وقیود'' میں رسموں کی حقیقت اور ان کی نوعیت پر کافی تبصرہ کیا ہے۔

تتمہ

مذکورہ بیانات کو جو ''مذہب اور عقل'' کے تحت میں آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں سامنے رکھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عقل کو مذہب سے الگ کرنا صریحی غلطی ہے۔ سچے مذہب کے طریقہ پر چلنے والے ہی عقل کے راستے پر گامزن ہوں گے۔ وہ آزاد خیال افراد جن کو دہریہ یا لامذہب یا نیچری کہا جاتا ہے عقل کے نام پر وہم کے شکنجہ میں اسیر ہیں ایسا نہ ہوتا تو مشاہدات کے آگے حقیقتوں کے قبول کرنے سے انکار نہ کرتے حالانکہ عقل کا کام ہی آنکھ سے اوجھل چیزوں کا سمجھنا اور ان پر حکم لگانا ہے۔

مذہبی حضرات جو شریعت کے پابند قرآن کے زیر فرمان ہیں وہ بھی عقل کے فیصلہ کی بناء پر ہیں۔ حکایتوں پر بھی ایمان لاتے ہیں تو عقل کی رائے اور اشارہ سے۔ بعید از مشاہدہ واقعات کو بھی باور کرتے ہیں تو عقل کے سمجھانے سے۔

انہوں نے عقل کے صاف اور شفاف آئینہ میں حقیقتوں کا جلوہ پہلے ہی سے دیکھ لیا ہے اچھے برے کی تمیز کر لی ہے۔ میلا اور داغدار آئینہ نگاہ کو ملگجا اور حقیقت کو داغدار بناتا ہے۔ اسی لئے جھائیاں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اجمالی تبصرہ دھندلی نگاہوں کے لئے ناکافی ثابت ہوسکتا تھا اس لئے تفصیلی تبصرہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔

اب یہ آپ کے سامنے ہے۔ سب ''مسئلہ مسائل'' جو اس ذیل میں پیش ہوں۔ ان کا اسی میں جواب ہے پھر بھی آسانی کے لئے خلاصہ اور اصل کتاب کا حوالہ ذیل میں درج ہے۔

اصول دین

اول توحید

وہ قادر جس کی ذات سے قدرت الگ نہیں۔ جو سراسر عدل وحکمت کے ساتھ کائنات کے ذرہ ذرہ پر حاوی ہے جس کے آثار کو آنکھ دیکھ رہی ہے۔ عقل سمجھ رہی ہے۔ دل مان رہا ہے۔ وہی خود بخود ہے اسی کا نام ہے خدا۔ اس کی ذات اور قدرت الگ الگ ہوتے تو وہ اپنے افعال میں اس قدرت کا محتاج ہوتا اور یہ قدرت اپنے قیام وثبوت میں اس ذات کی محتاج رہتی اس لئے نہ وہ ذات خدا ہوسکتی، نہ قدرت۔

اس بحث کو تفصیل وتصریح سے دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو عقل

ومذہب صفحہ ۲۱ تا ۳۱

دوم عدل

وہ عادل ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ رحمان بھی ہے اور قہار بھی۔ ہر ایک اپنے محل وموقع پر عدل وانصاف کے مطابق ہے بلا کردار نہ عطا ہے نہ سزا۔

عزت وذلت، بادشاہت اور فقیری، فراغت اور فلاکت سب حکمت ومصلحت کے مطابق ہے اس لئے عین عدل ہے۔

کفار کی شرارتوں کا دفعیہ خواہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہو صلاح عالم کا ذریعہ ہے اور اس لئے حکمت وعدل کے مطابق ہے۔ گمراہی میں چھوڑ دینا ہٹ دھرمی کی پاداش ہے اس لئے عدل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

عاصیوں کے ساتھ معصوم پیسے نہیں جاتے، بے شک کبھی عاصیوں کے عمل سے رضامندی رکھنے والے اگر چہ عملاً ان کے شریک نہیں اس زمرہ میں شریک کر کے مورد عتاب ہوتے ہیں اس لئے کہ فعل کے ساتھ رضامندی نیت اور ضمیر کے لحاظ سے انسان کو مجرموں ہی کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔

شریعت باطنی کے عالم کے ہاتھ سے بچہ کا قتل ملک الموت کے قبض روح کا مرادف ہے وہ بھی نظام عالم کی مصلحت سے ہوتا ہے۔ یہ بھی ہوا تو ظلم کیا ہوا۔ بے گناہ عیسیٰؑ کو بچا کر ایک گناہگار واجب القتل کو سولی پر چڑھوا دینا تو عین مقتضائے عدل ہے اس میں اعتراض کا موقع نہیں ہے۔

سوم نبوت

مسلمان رسول کی لفظ کو اس معنی سے استعمال نہیں کرتے کہ خدا کسی مقام خاص پر بیٹھ کر کسی کو بھیجتا ہے بلکہ وہ کسی شخص کو اپنے منشاء کے موافق احکام پہنچانے اور خلق کی رہنمائی کے لئے مقرر کرتا ہے۔

چہارم امامت

خدائی فرمان تفصیلی طور پر پیغمبرؐ کے ذریعہ سے پہنچے۔ ایسے ہی فرمان سے ائمہ کی امامت معلوم ہوئی۔

قرآن میں بطور اوصاف کے مجمل فرمان موجود ہے۔ تفصیل قول وعمل رسولؐ سے ہوئی ائمہ کے نام قرآن میں صاف ہوتے تو کہاں رہتے جب کہ اس کی تالیف بنی امیہ کے ہاتھوں ہوئی ہو۔

پنجم معاد

انسان معلومات سے کوسوں دور ہے اس لئے اسے اپنی نادانستہ باتوں کے انکار کا حق نہیں ہے۔

پھر بھی اصل جزاؤ سزا کا ثبوت عقل کے قطعی فیصلہ سے ہے۔ اس کی نوعیت کے لئے پیغمبرؐ کا بیان ہے جس کی سچائی کو بھی عقل نے قطعی طور پر سمجھا ہے۔ جو شخص قرآن کو بھی رسولؐ کا کلام سمجھتا ہو اسے قرآن وحدیث میں فرق قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے جب وہ قرآن کے ثبوت کو تسلیم کرتا ہے تو حدیثوں کو معتبر نائی کا بیان کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا۔

قرآن کلام اللہ ہے ان معنی سے کہ اس کے ارادۂ خاص سے مخلوق ہے۔ روح کو یہ کہہ دینا آسان معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان کی جان ہے جو جسم کے منظم ہونے سے روح بن جاتی ہے مگر خود جان کیا چیز ہے؟

جب اسے نہیں جانتے ہو، تو جو کچھ کہو وہ ایک بے دلیل کا دعویٰ ہوگا جو حقیقت کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں۔

اب اگر کوئی بتلا رہا ہے کہ روح جسم سے پہلے تھی اور اس کے بعد رہے گی تو اس کے خلاف تمہارے پاس کیا ثبوت ہے اور کس لئے اس کا انکار کر کے تم ادعاء کرتے ہو کہ روح نہ پہلے تھی نہ بعد کو رہے گی۔ (تفصیل کے لئے دیکھو مذہب اور عقل صفحہ ۴۱)

وہ دانشمند کارساز جس نے خلقت کے ضروریات کو پورا کیا۔ انسان کو بغیر اخلاقی تربیت کا سامان کئے چھوڑ دے تو اس کی دانشمندی اور قدرت پر حرف آتا ہے۔

اس اخلاقی تربیت کو جن کے ہاتھوں انجام دلوایا جائے، وہ نبی یا رسول یا امام ہیں، پھر ان کو جماعت کا ساختہ و پرداختہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ وہ اپنے ساتھ سچائیوں کی نشانیاں لاتے ہیں۔

اس لئے ان کی باتوں کو دل بہلا وا بتانا اپنی نادانی کا ثبوت ہے۔

خواہش اور غصہ میں حیوان بن جانے والا انسان، پوزیشن کا پاس، بدنامی کا خوف، آنکھ کی شرم، قانون حکومت کے دغدغہ کا دھیان بھی نہ لائے گا۔ لیکن آخرت کا دھڑکا ایک طرف تو خواہش اور غصہ کو اس درجہ تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ دوسرے کم از کم اس درجہ میں کہ جب تک انسان کو بدنامی کے خوف وغیرہ کا خیال ہوسکتا ہے اس درجہ میں آخرت کا دھڑکا بھی بہت لوگوں کو سدراہ ہوسکتا اور ہوتا ہے۔ مشاہدہ اس کا گواہ ہے۔

نبوت

نبی

مخبر عن اللہ یعنی خدا کی جانب سے ان حقیقتوں سے آگاہ کرنے والے جو عام نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ غیب کی خبریں وہ اللہ سبحانہ کے بتلانے پر دے سکتے ہیں (خدا کی غیب دانی سے قرآن کو کہیں انکار نہیں ہے) دیکھو ''مذہب اور عقل''، ص ۲۸

رسول:

بمعنی فرستادہ جس کی تشریح پہلے ہوچکی۔ اس کے لئے نہ بھیجنے والے کے لئے مقام کی ضرورت ہے نہ جسم وقیام کی۔

پیغمبر

خدا مادی حدود سے باہر ہے اس کے پیغام کے لئے کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

وحی تین طرح ہوسکتی ہے۔

۱- بذریعۂ صدا۔ صدا ایسی جو خدا کی مخلوق ہو اس کے لئے خدا کے جسم ہونے کی ضرورت نہیں۔

۲- بذریعہ فرشتہ جس کے پاس آئے اسے علم ہونا چاہئے دوسروں کے مشاہدہ کی ضرورت نہیں۔

بے شک مدعی کی سچائی قرائن اور حالات سے معلوم ہونا چاہئے اس لئے رسول کی ہمیشہ سیرت اور خاص نشانیاں یعنی آیات بینات تصدیق کے لئے موجود ہیں۔

۳- کتابت، نقوش بھی مخلوق الٰہی ہوسکتے ہیں۔

۴- القائے روحانی مگر رسول ایسے انسان کامل کے روحانی ادراکات حقیقت کے مطابق ہی ہوسکتے ہیں بے شک خداوندی تعلیم سے قبل رسول کے لئے وہ تمام علوم ومعارف حاصل نہیں تھے۔ جو کچھ آپ کے دماغ میں آیا خدا کی جانب سے آیا۔ یہ تو آپ کی رسالت کی تصدیق اور اس کا ثبوت ہے۔

یقیناً اس پیغام کے جو آپ کے ہاتھوں پہنچ رہا تھا۔ سب سے پہلے جاننے والے آپ ہی تھے۔ اس لئے آپ سب سے پہلے مسلمان تھے۔

ختم الانبیاءؑ لانبی بعدی

یقیناً حضرت محمد مصطفیؐ کا دعویٰ تھا کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ قرآن میں بھی خاتم النبیین کی لفظ کے ساتھ اس کی تصریح ہے۔

عیسیٰؑ کے تعلیمات محدود زمانہ تک کے لئے تھے اس کے لئے ان کے بعد نبی کی ضرورت ہے اور ہمارے رسولؐ کے تعلیمات ایسے جامع ہیں جو ہر زمانہ میں رہنمائی کے لئے کافی ہیں اس لئے آپ کے بعد نبیؐ کوئی نہ ہوگا۔

خلق کا مبتلائے گمراہی ہونا نئے نبی کی ضرورت نہیں پیدا کرتا بلکہ سابق نبی کی میعاد کا ختم ہوجانا نئے نبی کا باعث ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو مذہب اور عقل''۔ ص ۲۹

کمال ہر دین کا اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھا مگر بلا قید زبان وبلا میعاد مدت جو کامل دین ہے وہ خاتم الادیان ہے۔

کمال دین اور اتمام نعمت کا مژدہ عامۂ خلق کو دیا ہے۔ صرف رسولؐ کو نہیں۔

یہی دین تمام خلق کے لئے نعمت ہے کہ جو ہمیشہ ثابت اور قائم ہے اور اسی کا فیض خداوند عالم کی جانب سے پہنچایا جارہا ہے۔

اس لئے نہ خدا کی نعمتوں کا اختتام لازم آتا ہے اور نہ خلق کی نعمت الٰہی سے محرومی۔

سورۂ اعراف کی آیت میں ہرگز یہ نہیں کہا گیا ہے کہ

تمہارے پاس رسول ضرور آئیں گے بلکہ بطور کلیہ کے کہا گیا ہے کہ جب بھی رسول آئیں۔

اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں کے لئے بھی بعد میں کوئی رسول آنے والا ہے۔

اور جب ایسا نہیں تو **لا نبی بعدی** کی حدیث اس کے خلاف نہیں بلکہ وہ خاتم النبیین والی آیت اور آیت **اکملت لکم دینکم** کی مؤید ہے۔

سوائے اس آخری جزو کے باقی تمام بحث تفصیل کے ساتھ ''مذہب اور عقل'' کتاب میں درج ہے۔ ملاحظہ ہو،ص ۳۰

حضرت عیسیٰؑ کے لئے کوئی خصوصیت ایسی نہیں ثابت جو انہیں حضرت محمد مصطفیٰؐ سے افضل قرار دیتی ہو۔

اٹھائیے کتاب ''مذہب اور عقل'' اور صفحہ ۳۱ تا ۳۴۔ ملاحظہ فرمایئے آیات قرآنی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ عزت میں اشرف الانبیاء رسول اللہؐ ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰؑ۔

امامت:

خود قرآن سے ابراہیمؑ کے بعد ان کی ذریت میں سے ان افراد میں کہ جو ظالم نہ ہوں امامت کا بقاء ثابت ہے۔

نام کا تذکرہ ہوتا تو نبی امیہ کیوں رکھتے؟ ملاحظہ ہو (مذہب اور عقل،ص ۴۷)

''مذہب اور عقل''، صفحہ ۸۵ تا ۱۰۱ ملاحظہ ہو۔

قرآن کی ۲۸ آیتوں میں آنحضرتؐ کے لئے معجزوں کا ثبوت موجود ہے اور کسی ایک آیت میں بھی مطلق معجزہ کی نفی نہیں ہے۔

یا علیؑ یا امام حسینؑ یا حضرت عباسؑ کہنے سے کسی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ حاجت پورا کرنے والا انہیں کو سمجھتا ہے۔ بلکہ یہ سب دعائیں اصل میں خدا سے ہوتی ہیں۔ اور بطور تیمن و تبرک کے واسطہ ان بزرگوں کا اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن میں جو انکار ہے وہ اس کا کہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو حاجت روا نہ سمجھو۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں سمجھتا۔

بارھویں امام

حضرت کی حیات پر عقلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔

''مذہب اور عقل''، ص ۱۰۸ تا ۱۱۱

تاریخی مشاہدے، فطرت کے آئین، قدرت کے قاعدے، ذاتی تجربے کوئی بھی انسان کی عمر کی حد نہیں بتلاتے۔

قرآن نے سدا کی زندگی کی نفی کی ہے۔ سدا یعنی ہمیشہ کوئی انسان کتنا ہی جئے پھر بھی آخر میں فنا ہے تو یہ سدا کی زندگی کہاں ہوئی اور قرآن سے اس کی نفی کس طرح ثابت ہوئی۔

تاریخی مشاہدات میں لانبی عمر والوں کے بہت سے نمونے پیش ہوئے۔ ہیں تم سب کا انکار کرو تو کیا علاج ہے۔

قدرت کے قانون نے جوانی کی کوئی حد نہیں بتائی ہے نہ بڑھاپے کی کوئی میعاد مقرر کی ہے۔ یہ عمر کے اختلاف سے مختلف ہوگی۔

انسان کو اپنی جہالت کا احساس نہ رہا اور اپنے کو اشرف المخلوقات جہانیاں جہاں گشت محقق ماضی و حال، مستقبل اندیش ونکتہ رس، حقیقت آشنا سمجھ کر اگر واقعات کو اپنے محدود مشاہدات کا پابند سمجھنے لگا تو وہ کنوئیں کے مینڈک، فضا کے بلند پرواز تیز نظر گدھ اور گولر کے اندرونی بھنگے سے زیادہ نہیں ہے۔

ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی امام کے لئے تعلیمی زندگی کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ امام محمد تقیؑ اور امام علی نقیؑ دونوں بزرگوار چھ یا سات برس کے سن میں امام ہوئے۔ انہوں نے کس سے پڑھا۔ حالانکہ ان کے علمی کارناموں نے اس عمر کے عباسی خلیفہ کے دل پر اپنا سکہ قائم کر دیا۔ اسی طرح حضرت حجت کو سمجھئے۔

قرآنی آیت کسی اور امام کے لئے نام کی صراحت کے ساتھ کب ہے جو آپ کے لئے ہوتی۔ ائمہ کو احکام الٰہی بذریعہ وحی تو پہنچتے نہیں کہ اس کے حکم کا کوئی پتہ نظر آئے وہ تو اپنے پیشرو ائمہ کے ذریعہ سے یا القا و الہام کے واسطے سے پہنچتے ہیں پھر دوسرے کو اس کا علم کہاں حاصل ہوسکتا ہے؟

خبریں آپ کی حیات کے متعلق بہت ہیں لیکن اگر ان کے فرائض اور کام آشکارا طور پر ہوں اور عام اشخاص کے لئے

ان کی فہرست مرتب کی جا سکے تو غیبت کہاں رہی۔ عرائض کہاں پیش ہوتے ہیں؟ رہتے کہاں ہیں؟ وہاں کیا انتظام ہے؟ کیا حالات ہیں؟ کیا ذرائع ہیں؟ یہ سب راز منکشف ہوں تو خدا کا انتظام غیبت شکستہ نہ ہو جائے؟

بندوں کا بنایا ہوا ''ان فارمیشن'' کے راز کا کارخانہ تو اب تک کھل نہ سکا۔ پھر جاہل اور نادان بندے خدا کے کارخانہ قدرت کے رازوں کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

تعیناتی فرائض کے ادا کرنے کے لئے ہے اور فرائض ہر حالت کے اس لحاظ سے ہوتے ہیں۔ اور وہ غیبت کے عالم میں بھی ادا ہو سکتے ہیں۔

امن وامان کی نگہداری کے ساتھ بہترین صورت حفاظت کی یہی غیبت تھی اضافی اور توصیفی نام اکثر اصطلاحی طور پر ان مراتب کے لحاظ سے قرار دیئے گئے ہیں جو حضرت احدیت نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔

نام ادب شناس افراد امت نے رکھے ہیں اور وہ کمالات وخصوصیات جو ان ناموں کی اصل حقیقت ہیں خدا کا عطیہ ہیں۔ آپ کی امامت دربار عزت سے اسی طرح ہے جیسے آپ کے اصل حقیقت ہیں خدا کا عطیہ ہیں۔ آپ کی امامت دربار عزت سے اسی طرح ہے جیسے آپ کے آبا واجداد کی۔ امت کی قرارداد کوئی چیز نہیں، قدرت کی طرف سے قبل بلوغ نبوت مل چکی یحییٰؑ کو اور امامت مل چکی امام محمد تقیؑ اور امام علی نقیؑ کو اور جس طرح احکام الٰہی کے مجموعہ قرآن اور آنحضرتؐ کے ارشادات کے ذخیرہ کے باوجود ان حضرات کی امامت ثابت ہوئی۔ اسی طرح ان کی امامت۔

امام کا کام ہدایت ضرور ہے کہ وہ اپنے نام اور شخصیت کو پہچنوا کر ہدایت کا کام انجام دیں۔ ایسا اصطلاحی غیبت کے پہلے دوسرے ائمہ کے دور میں بھی ہوتا رہا۔ لوگ جو ان کی امامت سے واقف نہ تھے وہ اس وقت بھی یہی سوالات کر سکتے تھے کہ وہ اپنی امامت کا کام کہاں انجام دے رہے ہیں اور کیا؟ مگر ان کی زندگی کے اصلی فرائض ان سوالات کے جواب پر موقوف نہ تھے۔ سختیاں تابعین پر گیارہ اماموں کے زمانہ میں جتنی پڑیں وہ کم نہ تھیں۔ ائمہ معصومینؑ نے اپنے عظیم مقاصد کی حفاظت کرتے ہوئے ان کی کوئی ظاہری امداد نہیں کی۔ یہ تو کھوٹے کھرے کی ایک آزمائش ہے اور ہوتی رہنا چاہئے امت کی جہالت دور کرنے کے لئے مصلح علماء موجود ہیں جب ان کی بات کا اثر نہیں تو کیا معلوم امام کی آواز کسی لباس میں پہنچی، اتمام حجت کیا گیا۔ مگر اس پر عمل نہیں ہوا۔

شریعت موسویہ اور عیسویہ اور خود اسلام کے تعلیمات میں معصوم افراد ایسے گذرے جو نابالغی کی حالت میں نبوت یا امامت کے منصب پر مانے گئے۔

آپ کے جد امجد کار رسالت ہمیشہ انجام دیتے رہے لیکن چالیس برس کے سن میں اظہار رسالت کا حکم ملا یعنی سمجھنا چاہئے کہ رسالت پر سے غیبت کا پردہ ہٹانے کا یہ وقت تھا۔ فیض رسانی کے لئے جاننے پہچاننے کی ضرورت نہیں۔ نہ ہم سے تم سے سارٹیفکٹ حاصل کرنے کی حاجت ہے۔ تعیناتی کا حاصل بھی شہود میں آنے پر موقوف نہیں۔

امر الٰہی کے لئے سلطنت کی ضرورت نہیں۔ خود ان کے جد بزرگوار کے زیر نگیں کوئی دنیا کی سلطنت نہ تھی مگر جس امر کے وہ حامل تھے اسی امر کے یہ بھی حامل ہیں۔ اولولامر کے پہلے رسول بھی اسم صفت ہے نام نہیں ہے۔ پھر رسول کا نام کب لیا گیا جو اولولامر کا نام لیا جاتا۔ سلطان وقت ہرگز خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد نام لینے کے قابل نہیں۔ وہ تو اکثر خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف حکمراں ہوسکتا ہے، جس وقت کہ اس کی مخالفت اطاعت خدا اور رسولؐ کے مطابق ہوگی۔ نام آجاتا تو بنی امیہ کاہے کو چھوڑتے۔ شبہ پھر بھی قائم رہتا۔

ختم المرسلینؐ کے بعد نظام شریعت کی تکمیل کے لئے بارہ امامؑ اور ہونے والے تھے اس لئے ان کو اس طرح پردۂ غیبت میں رکھ کر حفاظت نہ کی۔ لیکن ان کے بعد تعداد پوری ہوگئی تھی کوئی تھا نہیں اس لئے ان کی حفاظت کی ضرورت تھی۔ رہنمائی وپیشوائی کے لئے نام سے مطلب نہیں، کام سے مطلب ہے اور

کام انجام پا رہا ہے۔

امام آخر الزمانؑ

چونکہ ان پر تعداد پوری ہوگئی اور ان کے بعد کوئی اور ہے نہیں اس لئے معلوم ہوا کہ وہ امام آخر الزمانؑ ہیں۔

مہدی موعود

وہ وعدہ جو ایمان اور اعمال صالحہ بجالانے والوں سے ہوا ہے اس کی وفا کا مرکز آپ ہی ہیں۔ آپ کے پہلے وہ وعدہ پورا نہیں ہوا اس لئے معلوم ہوا کہ حقیقی موعود یہی ہیں۔

حضرت حجت

حجت کے معنی غلبہ کے ہیں آپ دین کی بقاء اور آخر میں اس کے غلبہ کا باعث ہیں اس لئے اس لقب سے ملقب ہوئے ہیں۔ آپ نگراں نہیں بلکہ حاکم ہیں اور حاکم اپنے دور کا جوابدہ ہوتا ہے اس لئے آپ سے سوال ہوگا۔

واقعہ کا ہونا نہ ہونا، جب کہ مشاہدہ کی عمر سے آگے ہو، تو بتلانے والوں کی اطلاع پر مبنی ہوسکتا ہے۔

عقل کی بحث امکان میں ہوتی ہے اور وقوع کا تعلق خود عقل کے فیصلہ کے موافق سراسر منقولات سے ہے۔ مخبر اگر بھروسے کے قابل ہے تو ہر چیز مان لی جاسکتی ہے اگر امکان سے باہر نہ ہو، اس لئے یہ سوال سب سے پہلے طے کرنے کا ہوتا ہے کہ ایسا ممکن ہے یا نہیں۔

عام انسانی تجربوں سے دور واقعات ہمیشہ ہوتے رہے اور اب بھی ہوتے ہیں قابل وثوق اور معتبر ہستیوں کے خبر دینے ہی سے مانے جاتے ہیں۔ جرمنی اور امریکہ کی ایجادوں نے طلسم ہوش ربا کو مات کردیا ہے۔ دم ہو تو انکار کرو۔ کیا تمہارے تجربے اور مشاہدے مثالوں سے واقف تھے؟ ہرگز نہیں اب بھی آنکھ سے کم دیکھا۔ کانوں سے زیادہ سنا ہے مگر خبروں کے تواتر نے ماننے پر مجبور کیا ہے۔

پھر انبیاء ومرسلینؑ کے غیر معمولی واقعات کا صرف مشاہدہ اور تجربہ سے دور ہونے کی بناء پر انکار کیوں کرتے ہو؟ ابراہیمؑ ہوں یا روح اللہ، رسولؐ اللہ ہوں یا علیؑ۔ موسیٰؑ ہوں یا عیسیٰؑ۔ سلیمانؑ ہوں یا کوئی اور پیغمبر ہر ایک کے غیر معمولی واقعات جو مستند اور معتبر خبروں سے ثابت ہوں وہ ماننے کے قابل ہیں۔ جن کی خبر کمزور ہو۔ غیر معتبر یا مستند اسے ماننے کی ضرورت نہیں۔

''مذہب اور عقل'' کو اسی لئے پیش کیا گیا ہے کہ بہت سی ثابت حقیقتوں کو اپنے محدود مشاہدات وتوہمات کی بناء پر بے حقیقت سمجھنا اچھا نہیں ہے کسی کے خیالات اور توہمات پر پہرہ نہیں بٹھا یا جاسکتا مگر ناواقف لوگوں کی واقفیت اور سادہ لوح اشخاص کی دام فریب میں گرفتار ہونے سے حفاظت حقیقت پروری کے لئے ضروری ہے۔

اب ذیل میں جو مسائل ہمارے سامنے پیش ہیں ان کا جواب گذشتہ صفحات کے حوالہ کے ساتھ درج ہے۔

معجزہ

قرآن کی اٹھائیس آیتوں میں آنحضرتؐ کے لئے معجزہ کا ثبوت موجود ہے اور کسی ایک آیت میں بھی مطلق معجزہ کی نفی نہیں ہے اس لئے ہم اپنے رسولؐ کو صاحب اعجاز ماننے پر مجبور ہیں۔

نمبر شمار	پارہ	سورہ
۱۔	۱	بقرہ
۲۔	"	"
۳۔	۲	"
۴۔	۴	آل عمران
۵	۷	انعام
۶۔	"	"
۷۔	"	"
۸۔	"	"
۹۔	۸	"
۱۰۔	"	"
۱۱۔	۱۴	نحل
۱۲۔	"	"
۱۳۔	۱۵	بنی اسرائیل
۱۴۔	"	کہف
۱۵۔	۱۶	مریم

۱۶۔	۱۷	حج
۱۷۔	۱۸	مؤمنون
۱۸۔	"	نور
۱۹۔	"	"
۲۰۔	"	"
۲۱۔	۲۰	نمل
۲۲۔	۲۳	صافات
۲۳۔	۲۴	مؤمن
۲۴۔	۲۵	جاثیہ
۲۵۔	۲۶	احقاف
۲۶۔	۲۷	حدید
۲۷۔	۲۸	صف
۲۸۔	۳۰	بیّنہ

ملاحظہ ہوقرآن یا کتاب ''مذہب اور عقل''صفحات ۵۵ تا ۶۵

حاجت روا: بزرگان دین کو بذات خود حاجت پورا کرنے کے لئے پکارنا اس طرح کہ انسان خدا سے التجا کا سلسلہ قطع کرلے اور ان ہی کو سب کچھ سمجھ لے درست نہیں ہے۔ قرآن کی نو آیتوں میں اسی کا انکار ہے۔ ہم جو اپنے بزرگان دین کو پکارتے ہیں وہ اس لئے کہ ہمارے واسطے بارگاہ الٰہی میں التجا کریں۔ یہ ایک شانِ ادب شناسی ہے کہ ہم اپنے کو براہ راست اس عظیم بارگاہ میں عرض پیش کرنے کے قابل نہ سمجھتے ہوئے اپنے سے بہتر بندوں کا دامن تھامتے ہیں۔ اس کی نفی قرآن میں نہیں ہے بلکہ طلب مغفرت کے لئے رسولؐ کے پاس آنے کی ہدایت ہے۔ وہ بالکل ہمارے طرز عمل کی نظیر ہے۔

افضل انبیاءؑ

آنحضرتؐ کا خاتم النبیینؐ بنایا جانا اور معجزۂ باقیہ کا حامل قرار دیا جانا ہی آپ کے افضل انبیاءؑ ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے چند تعلیمات بطور یادگار اس شریعت میں قائم رکھے گئے۔ انہی کو سنت ابراہیمی قرار دیا گیا مگر آپ کی شریعت کی جامعیت و وسعت اپنے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی کوئی خصوصیت ایسی نہیں جس کے مثل ہمارے رسولؐ کے لئے حاصل نہیں۔ وہ بھی صاحب شریعت ہیں تو یہ اس کی ناسخ شریعت کے حامل۔ انہیں معجزے عطا ہوئے مگر وہ سب فانی تھے۔ اور انہیں بھی معجزے عطا ہوئے جن میں سے ایک معجزہ باقیہ ہے۔ انہوں نے کلیم اللہ کا مرتبہ پایا اور ان کے لئے کلام اللہ نازل ہوا انہیں تجلی کا شرف ملا اور انہیں معراج عطا ہوئی۔

حضرت عیسیٰؑ کی کوئی خصوصیت ایسی نہیں جس کے مثل یا اس سے افضل ہمارے رسولؐ کے لئے حاصل نہ ہو۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو) (مذہب اور عقل صفحہ ۳۱ تا ۳۴)

خلیفہ بلا فصل

خلافت سے مراد سلطنت وحکومت دنیا نہیں ہے اسے آپ نے خدمت خلق کی غرض سے چوتھے نمبر پر منظور کیا بلکہ خلیفۂ بلافصل سے مراد رسولؐ کے بعد بلا فاصلہ جانشینی کا استحقاق ہے اور واقعہ کے بالکل مطابق ہے جانشینی کا درجہ اپنے پیشرو کی وفات کے بعد ہے۔ اس لئے رسولؐ کی زندگی میں اس جملہ کے اذان میں جاری کئے جانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اسی بناء پر علمائے شیعہ اس کو جزو اذان نہیں جانتے بلکہ جزو ایمان سمجھتے ہیں لاریب غدیر میں حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان بربنا حکم تھا۔ بلغ ماانزل الیک الخ۔ اور اسی تعمیل پر آیت اکمال دین نازل ہوئی پس خدا کی جانب سے علی خلیفہ بلا فصل قرار پا گئے۔ مگر موجودہ ترتیب قرآن میں یہ دونوں آیتیں بالکل بے جوڑ دوسری آیت کا تتمہ بنا کر لکھ دی گئی ہیں۔ یہ ہرگز درست نہیں ہے اور موجودہ ترتیب کا نقص ہے۔ کیونکہ ترتیب آیات شان نزول کے مطابق شیعہ اور سنی کسی کے نزدیک نہیں ہے۔ علیؑ کا نام نہ لیا۔ اسی لئے قرآن لفظی تحریف سے پاک رہا اور قرآن کے بارے میں تفرقہ نہ پڑا اور نہ اموی اقتدار ضرور ان الفاظ کو حذف کرتا یا اگر ان ناموں کے ساتھ ایک قرآن کا رواج ہوتا تو وہ اپنے دل کے موافق دوسرا قرآن تیار کرتے۔

نتیجہ ہوتا مسلمانوں کی ابتری اور انتشار۔ اس لئے قدرت نے نام کا اظہار نہ کیا۔ صفات اور واقعات سے مطلب ادا کیا۔ اس مطلب کو چھپانے کی ترتیب کے بدلنے سے کوشش کی گئی۔ مگر حقیقت پھر بھی (بقیہ صفحہ ۵۶ پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

(۷)

ہر اک جگہ صف ماتم بچھائی جائے گی
دلو ں میں درد کی بستی بسائی جائے گی
انہیں کی یا د زمانے میں پائی جائے گی
یہ داستانِ شہادت سنائی جائے گی
انہیں کے نام پہ ساغر پلائے جائیں گے
ہر ایک شہر میں شیعہ علم اٹھائیں گے

(۸)

کہا حسینؑ نے نانا سے، آپ کیا دیں گے
جو ہم پہ روئیں گے ان کو کوئی صلہ دیں گے؟
کہا یہ سن کے پیمبرؐ نے، ہم دعا دیں گے
تمہارے چاہنے والوں کو بخشوا دیں گے
تو بولیں فاطمہؑ آنکھوں کو میں بچھاؤں گی
انہیں بہشت بریں ساتھ لے کے جاؤں گی

(۹)

کہا علیؑ نے کہ ہم بھی گلے لگائیں گے
جو قصرِ لعل و گہر کے ہیں وہ دکھائیں گے
ہم ان کو چشمہ کوثر پہ لے کے جائیں گے
خود اپنے ہاتھ سے ساغر انہیں پلائیں گے
اب اپنے فرض کو پورا کرو عزادارو
شہیدِ ظلم پہ گریہ کرو عزادارو

(۱۰)

یہ اشک جو غمِ شہؑ میں بہائے جاتے ہیں
یہی تو نور کے شیشوں میں پائے جاتے ہیں
یہ ساکنانِ فلک کو دکھائے جاتے ہیں
انہیں سے عرش کے تارے بنائے جاتے ہیں
یہی تو قلب پیمبرؐ کا چین ہیں آنسو
یہی تو مرہم زخمِ حسینؑ ہیں آنسو

(۱۱)

ہیں کربلا کے شہیدوں کی داستاں آنسو
بنے ہیں دامن گردوں پہ کہکشاں آنسو
پہنچ گئے ہیں ہمارے کہاں کہاں آنسو
یہ بارگاہ خدا میں ہیں ضو فشاں آنسو
یہی حسین ستارے بنے نگاہوں کے
نثار ان پہ خزانے ہیں بادشاہوں کے

(۱۲)

خود اشکبار تھے جن پر نبیؐ کے گھر والے
انہیں حسینؑ کے غم میں ہیں صدرؔ کے نالے
اِدھر بھی دیکھ لو زہراؑ کی گود کے پالے
پڑی ہے خاک سروں پر، لباس ہیں کالے
تمہاری یاد میں آنکھوں سے اشک ڈھلتے ہیں
جہاں میں آج ہزاروں علم نکلتے ہیں

❁❁❁

(بقیہ صفحہ ۲۷ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

ظاہر رہی اور چھپائے نہ چھپی۔ ائمہ اثنا عشر نے اس حقیقت کو ظاہر کیا اور برابر بتلایا، انہی سے ہم تک پہنچا، بے شک اس ترتیب کو مٹا کر دوسری ترتیب کو رواج نہ دیا صرف اس لئے کہ یہ ہونے کا نہیں کہ سب اسی کے پابند ہو جائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ قرآن بھی مسلمان کا ایک نہ رہے۔ مفاد اسلامی کے محافظ ائمہ اہلبیتؑ ہرگز اس انتشار کو اپنے ہاتھوں برداشت نہ کر سکتے تھے۔

اھل بیتؑ وآیت تطھیر

وہی صورت آیت تطہیر کی ہے۔ قرآن بجا اور درست ہے بالکل درست مگر ترتیب کو کون درست کہتا ہے۔

بے شک ''حدیثے کہ خلاف قرآن باشد بر دیوار باید زد'' مگر حدیثے کہ خلاف ترتیب قرآن باشد کہ گفت؟

امامت اور قرآن اور کلام اللہ کے متعلق مزید سوالات کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

والسلام

علی نقی النقوی عفی عنہ ۲۲۔ ماہ صیام ۱۳۶۰ھ